

زندین آرزو

ساجد الحق سمندر

پاک
ڈاک
سوسائٹی



READING
Section

زندہ آنرز

ساحلِ دوستی

اس ملجی شام کا حسن گلانی ہونے کے ساتھ ساتھ خوشبوؤں اور رنگوں کی آمیزش سے مزید آتشہ تھا۔ دلہا قہقہے آزاد اور بے فکرے چہرے جنہیں شاید زندگی کے کسی دکھ نے نہیں چھوا تھا یا پھر زندگی اور زیست کی تلخیوں نے ان چہروں کی شادابی ابھی نہیں توچی تھی ساتھ اسٹیج پر ڈانس کے پیچھے کھڑا ریویس کو برجوش انداز میں خوش آمدید کہہ رہا تھا۔ اسٹیج کے ساتھ کرسیاں ایک ترتیب سے آگے پیچھے دھری

تھیں جو تقریباً رتھیں۔ آخری دو میں کرسی سنبالے اس نے گردن کھما کر ریمیں دکھا کر گھبراہٹ سے چہرہ تمام سا کوئی خاص بات نہیں مگر بڑی بڑی سیاہ آنکھوں میں جیسے کشش تھی اور سائلی رتھ میں نمک بے تماشا لہجے بالوں کی چٹنی اس کے شانے سے اس کی گود میں دھری تھی۔ سیدھا سا روپہ سفید ساڑھی میں تھی۔ شاید کوئی اسٹوڈنٹ اس نے لوہے کو سوچتے اپنا دھیان گرم جوش تقریر کی طرف موڑنا

”ہم کو زوی۔“ دلعتاً نرم لہجہ کانوں میں اترتا ہوا بڑی سیاہ آنکھیں اس پر جمی تھیں۔ ”آپ آگے اسٹوڈنٹس میں جا کر بیٹھیں۔ یہ وہ سب کو رکھنے والوں کے لیے مخصوص ہے۔“ اس نے لڑکی کے مزید بولنے سے پہلے استادوں کے مخصوص بارعب لہجے میں کہا۔ ”اسٹوڈنٹس میں کیوں؟“

اس کی بات پر حیرت زدہ رہ گئی۔ وہ اتنی کند ذہن تو نہیں بنتی تھی۔ جو اس کے مادری زبان میں بولے جملے کو نہ سمجھ پالی۔

”آپ شاید اس وقت حاضر نہیں ہیں۔“ لڑکی کے جواب پر اس نے ناگواری سے سامنے دکھا جہاں قائل کے اسٹوڈنٹ کی تقریر کے بعد تالیاں بٹنی جا رہی تھیں۔ کانوں کے پردے پھاڑ لی۔ وہ ہرگز ان اساتذہ میں سے نہیں تھا جو اسٹوڈنٹس کی بد تمیزیاں اور مباحثہ کو خندہ پیشانی سے برداشت کر لیتے ہیں۔ وہ خاص خوبو والی شخصیت کا مالک تھا۔ لگ کر دینے وقت کلاس میں بہت سنجیدہ رہتا۔ اس کی اس لئے دسے رہنے والی عادت کے باوجود سارے اسٹوڈنٹ اس کا بہت ادب پڑھا لگا کرتے تھے وہ ایک اچھا استاد

تلاوت



READING Section



تھا۔ ایک قابل شخص، مگر اصول اس کے بولنے کا
 دھیما دھیما انداز دینا اور لہجہ مخالف صنف اس کے
 انداز پر خامیا کھینچتی تھی۔ مگر اس نے کبھی کسی کو اہمیت
 نہیں دی تھی۔

”یہ کہاں لکھا ہے کہ یہ وہ اساتذہ کے لئے
 مخصوص ہے۔“
 وہ غالباً ”دنک“ تھی۔ کبیر سنجیدہ لہجے والے اس
 شخص کا اس طرح معمولی بات پر آپے سے باہر ہونا
 اسے متعجب بنا گیا۔

”مگر معلوم ہوتا تو آپ جیسی کنڈہ بن لڑکی کے لئے
 ضرور نکھو الیتا اور اتنا یاد رکھیے خود سر اور بد نیز طالب
 علم مجھے بالکل پسند نہیں۔“
 ”کیا مطلب؟“

تیز بلیوں کی چمکا چوند روشنی میں ڈوبا اس کا چہرہ گفت کے
 باعث لہو بھر کو لال ہوا تھا اس شخص کو آخر اس کی
 اتنی بے عزتی کا حق کس نے دیا اور آخر اس نے اسے
 سمجھا کیا ہے۔ کوئی بد تیز اور خود سر لڑکی۔

”اب“ وہ مزید کسی بحث سے بچنے کے لئے تیزی
 سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

لڑکی کے چہرے کی کتھاہٹ اور اس کے غصے سے اس
 طرح اٹھ جانے کو اس نے قطعی اہمیت نہیں دی۔

اس نے بے توجہی سے ایک اچھی لگا ہوا اور ہونٹ لڑکی کی
 طرف ڈالی تھی۔ سفید ساڑھی کا لسیا سا لہو اور اس کے
 ساتھ ساتھ جموٹی اس کی لمبی چوٹی، گہبے پل اسے
 ہمیشہ سے پسند تھے۔ مجیب قسم کا وہیل اور جبجھٹ
 لگتے تھے اس نے ماہم کے بل خود لے جا کر کٹوائے
 تھے شالوں تک لہراتے پچھلے دنوں ماہم کو بل پر چھانے
 کا شوق بھی ہوا مگر اس نے صاف کہہ دیا۔

”دیکھو ماہم! مجھے لے باہل سے چڑھے اگر تم میری
 ہو کر رہتا چاہتی ہو تو تمہیں میری پسند پسند کا خیال
 رکھنا ہو گا اور۔“

”آخر ذرا سے بل پر چھانے میں قیامت کیا ہے۔“
 ”بس کہہ دیا میں مجھے لے باہل والی لڑکیوں پسند
 نہیں اور پھر یہ دراز نہیں چھوٹے اور متوسط طبقے کی

لڑکیوں کی ضرورت ہے جو بیوی پار لہ جا کر بیٹ نہیں
 کرا سکتیں۔ تمہیں اس سب کی کیا ضرورت ہے۔“
 ”واقعی؟“ وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے
 مسکرائی۔

وہ بے حد حسین تھی۔ اوپر سے بڑی نیکہ سے
 تیار ہوتی تھی۔ کبھی چلی جاتی تو لوگ گردن موڑ موڑ کر
 اسے دیکھتے تھے۔ اس کا خیر و کرہ دینے والا حسن و وسوں
 کو پاگل کر دیا کرتا تھا۔

ماہم بڑے باپ کی بیٹی تھی وہ لڑکی جو سونے کا چھوٹے
 میں لے کر پیدا ہوئی تھی۔ دولت کی فراوانی اور
 آسائشوں کی بھرمار اس کی طبیعت میں سخت اور
 خورجری کیوں نہ آئی۔ اور پھر اس پر اس کا ہوشیا حسن
 خود کئی بار شاہم کا دل اس کے قدموں میں لوٹ پوٹ
 ہو جاتا۔

وہ یونیورسٹی کا با اصول اور سنجیدہ شاہم صدیقی
 اسٹوڈنٹ کا چیتا جسے اپنے معیار میں رہنا پسند تھا۔
 جس کے لبوں سے مسکراہٹ بھی بمشکل آتی وہ ماہم کا
 دیوانہ ہے۔ یہ اگر وہ سب جان لیں تو انہیں یقین نہ
 آئے اور شاید معتمد خیر بھی گئے۔

وہ عام سے خیالات اور پسند رکھنے والا تو ہی نہیں تھا مگر
 ماہم کے سامنے اس کے سارے نظریات بھر پوری
 مٹی کی طرح جھڑ جاتے اور۔

پر پولیس کا لڑکا اپنی خوبصورت آواز میں کوئی مشور
 غزل گارہا تھا۔ جسے دم ساڑھے بیٹھے تھے۔ جسے پہلو
 بدلتے شاہم نے اکتائے ہوئے رشتہ دار پر نگاہ ڈالی
 سات بج رہے تھے۔ نہ معلوم یہ پروگرام کب تک
 چلے اور پھر کھانا اس نے مای سے وعدہ کیا تھا وہ جلد
 لوٹ آئے گا۔ مای نے بڑا زبردست پروگرام ترتیب
 دیا تھا۔ پتا نہیں کیا کیا اس نے تو توجہ سے سنا بھی نہ تھا
 اس کے سارے پروگرام وہی بتاتی تھی۔ وہ اسے اکثر
 فیشن شو میں بھی کھینٹ لے جاتی۔ اور وہ ہاتھ پر
 ہاتھ رکھے پہلو بدلتا اور اُدھر اُدھر بچے سنورے چوں
 نظرس دوڑاتا، ماہم کے گروپ میں بھی اونچے بلنے
 کے لوگ تھے۔ وہ اس کے گروپ سے اچھے تعلقات

رکھتا تھا۔ مگر کسی بھی جھنجھلائے لگا۔ سراسر وقت کا
 نواں جلا تک۔ یہ وقت اس کی لائبریری میں کتابوں
 کے ساتھ گزارنے کا ہوتا ہے اور پھر اس کے کام کا
 کس قدر حرج ہوتا تھا۔ مگر وہ صرف مای کی محبت میں
 دلچسپی کا مظاہرہ کرتا۔

اور پھر اس خاندان کے احسانات بھی بھلا دینے کے
 قائل نہیں تھے۔ وہ اگر چاہتا بھی تو ان احسانات کے
 بوجھ سے رہائی حاصل نہیں کر سکتا تھا۔ جب اس کے
 بی ابا مادے میں گزر گئے تھے اور وہ بے یا و مددگار
 نہ بائکل تھا اور لاوارث، تب مسز گورانی اسے لے
 نئی تھی۔ گورانی صاحب کو بھی یہ لڑکا بہت بھلا لگا۔
 معصوم صورت، گہری گہری بولتی آنکھوں والا لڑکا،
 جس کی بھوری آنکھوں میں آنسو تھے۔ اور بے حد
 خوبصورت چہرے پر بے چارگی۔

ان کی بیٹی نے اسے دوست بنا لیا، وہ اسے ہر دم ساتھ
 رکھتی۔ مسز گورانی اور مسز گورانی نے بھی ان دونوں
 میں کوئی فرق نہیں رکھا۔ جن میں سے اسکولوں میں ماہم
 نے پڑھا۔ وہ بھی اسی اسکولوں میں پڑھتا رہا جس قسم
 کی آسائشیں ماہم کو میسر تھیں اسی قسم کی آسائشوں
 میں وہ بھی مل بڑھ کر جوان ہوا۔ بڑا خوبصورت جوان لکھا
 تھا، انتہائی خود اعتماد سنجیدہ اور ہلو کار ماہم اس کے
 لئے چل گئی۔ بیٹی کی خواہش اور پھر لڑکا بھی گھر کا پلا
 بھلا لکھتی بیٹی نظروں کے سامنے رہے گی۔ اور گھر کی
 باندھ اور گھر میں بیٹی کی جگہ ان ضد مسز گورانی کو بہت
 متحمل اور متحمل مند لگے۔

بیٹی بہت گھر سے اپنے ہونے والے منگیترا کا تعارف
 لڑائی تھی۔

”یہ شاہم ہے میرا ہونے والا منگیترا۔“
 اور اس کے گروپ کے لوگ حیرت زدہ رہ جاتے اور
 جن کے مارے جب جاوید اور ہاشم کو اس لڑکے پر
 رنگ آتا تھا اتنی حسین و جمیل مای کا منگیترا لڑکا جسے
 انہوں نے احسانات تلے زیر بار کیا۔ اس کی پرورش
 کی۔ وہ جیم لڑکا مای کا ہونے والا منگیترا جاوید نے
 حیرت سے سوچا۔ لیکن کہہ نہ سکا۔ یقیناً یہ بات مای
 کو باگوار گزرتی اور وہ مای کی خفگی برداشت نہیں

کر سکتا تھا۔ وہ حسین لڑکی کم از کم اس کی دوست تھی
 تھی۔
 ”ہاؤ کی پو آ رہی۔“

شہنا کو شاہم شہنا وطن سے پسند تھا بہت خوبصورت
 میں اترنے والا اور خصوصاً اس کی بھوری آنکھوں کی
 سنجیدگی۔ اتنا پرلٹھ لڑکا وہ کبھی سے بھی گنوار بیک
 گراؤ بڑھ کا نہیں لگتا تھا۔

اس نے ایک ٹھنڈی تو بھری سی لڑکا اس کے می پاپا کو
 کیوں نہیں مل گیا تب وہ بھی مای کی طرح اترائی پہلے
 اور مای اس کی طرح رشک و حسد میں جھلا ہوئی۔
 عنقریب ان دونوں کی باقاعدہ منگنی کا اعلان ہوا تھا۔
 شام کو تقریب کے اختتام پر وہ سفید ساڑھی والی اسے
 پھر نظر آئی۔ ہنسی مسکرائی۔ شگاف دانوں کی قطار
 سے جیسے ہر طرف چاندی سی بکھر گئی۔ سلونے
 کھڑے رہ چاندی اور گلابوں میں پڑتے ڈھیل ٹھنڈوں
 تک جموٹی چوٹی لڑکی عام سی ہوتے ہوئے بھی عام
 نہیں تھی۔

”یہ تھی بچہ ہیں سزا بچ ہی آئی ہیں۔“
 مشتاق نے اس کی نظروں کے تعاقب میں دیکھتے

بتایا۔
 ”جی بچہ“ اسے حیرانی ہوئی۔

بچی کو لیک کا اضافہ اور اسے پتہ بھی نہ چلا۔ وہ اسے
 اسٹوڈنٹ سمجھ کر اچھی خاصی جھاڑ بھی پلا چکا تھا۔
 اس کا گفت زہ چہو اور سیاہ آنکھوں کی جھلاہٹ اسے
 ابھی تک بھولی نہیں تھی نہ کیا سوچتی ہوگی۔ وہ انتہائی
 بد اخلاق ہے جو اپنے نئے آنے والے کو لیکز کے
 ساتھ اتنا بھونڈا اور روکھا رویہ رکھتا ہے۔

”سر! یہ بھی آپ کے سبجیکٹ سے تعلق رکھتی
 ہیں۔ یعنی اردو۔“

وہ نے تلے قدم اٹھاتا اس کے قریب چلا گیا۔ وہ کسی
 سے کچھ نہ لگتی تھی۔

”ہک کھوڑی۔“ اس نے سنجیدہ لہجے میں اسے
 مخاطب کیا۔

”فری ایجے۔“ اپنی تذلیل کو یاد کر کے اس کا چہو
 سرخ پڑ گیا۔

تھا۔ ایک قابل شخص، مگر اصول اس کے بولنے کا
دھیما دھیما انداز دلنواز لہجہ، مخالف صنف اس کے
انداز پر خامیا کھینچتی تھی۔ مگر اس نے کبھی کسی کو اہمیت
نہیں دی تھی۔

”یہ کہاں لکھا ہے کہ یہ وہ اساتذہ کے لئے
مخصوص ہے۔“
وہ غالباً ”دنک“ نہ مانی تھی۔ کبیرہ سنجیدہ لہجے والے اس
شخص کا اس طرح معمولی بات پر آپے سے باہر ہونا
اسے بہت عجیب لگا۔

”مگر معلوم ہوتا تو آپ جیسی کنڈہ بن لڑکی کے لئے
ضرور لکھو الیتا اور اتنا یاد رکھیے خود سر اور بد میز طالب
علم مجھے بالکل پسند نہیں۔“
”کیا مطلب؟“

تیز بلبوں کی چمکا چوندہ روشنی میں ڈوبا اس کا چہرہ خفت کے
باعث لہو بھر کو لال ہوا تھا اس شخص کو آخر اس کی
اتنی بے عزتی کا حق کس نے دیا اور آخر اس نے اسے
سمجھا کیا ہے۔ کوئی بد تیز اور خود سر لڑکی۔

”اوہ“ وہ مزید کسی بحث سے بچنے کے لئے تیزی
سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

لڑکی کے چہرے کی کتھاٹ اور اس کے غصے سے اس
طرح اٹھ جانے کو اس نے قطعی اہمیت نہیں دی۔
اس نے بے توجہی سے ایک اچھی نگاہ دور ہوتی لڑکی کی
طرف ڈالی تھی۔ سفید ساڑھی کا لہسا سا لہو اور اس کے
ساتھ ساتھ جمہولتی اس کی لمبی چوٹی، لمبے پل اسے
بہت سے پسند تھے۔ عجیب قسم کا وہیل اور جھبھٹ
گلتے تھے اس نے ماہم کے ہال خود لے جا کر کٹوائے
تھے شالوں تک لہرائے، پچھلے دنوں ماہم کو ہال پوچھانے
کا شوق بھی ہوا، مگر اس نے صاف کہہ دیا۔

”وہ کھو ماہم! مجھے لمبے بالوں سے چڑ ہے اگر تم میری
ہو کر رہنا چاہتی ہو تو تمہیں میری پسند پسند کا خیال
رکھنا ہو گا اور۔“

”آخر ذرا سے ہل پوچھانے میں قیامت کیا ہے۔“
”بس کہہ دیا میں مجھے لمبے بالوں والی لڑکیاں پسند
نہیں اور پھر یہ دراز زلفیں چھوٹے اور متوسط طبعی کی

لڑکیوں کی ضرورت ہے جو پھولی پارلر جا کر سیٹ نہیں
کرا سکتیں۔ تمہیں اس سب کی کیا ضرورت ہے۔“
”واقعی؟“ وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے
مسکرائی۔

وہ بے حد حسین تھی۔ اوپر سے بڑی نکمہ مکے سے
تیار ہوتی تھی۔ کہیں چلی جاتی تو لوگ گردن موڑ موڑ کر
اسے دیکھتے تھے۔ اس کا خیرہ گردہ سینہ والا حسن و وسوں
کو پاگل کر دیا کرتا تھا۔

ماہم بڑے باپ کی بیٹی تھی وہ لڑکی جو سونے کا چھوٹا
میں لے کر پیدا ہوئی تھی۔ دولت کی فرلوانی اور
آسانشوں کی بھرمار اس کی طبیعت میں سخت اور
خود سری کیوں نہ آئی۔ اور پھر اس پر اس کا ہوشیا حسن
خود کئی بار شاہم کا دل اس کے قدموں میں لوٹ پوٹ
ہو جاتا۔

وہ یونیورسٹی کا با اصول اور سنجیدہ شاہم صدیقی
اسٹوڈنٹ کا چیتا جسے اپنے معیار میں رہنا پسند تھا۔
جس کے لبوں سے مسکراہٹ بھی بمشکل آتی وہ ماہم کا
دیوانہ ہے۔ یہ اگر وہ سب جان لیں تو انہیں یقین نہ
آئے اور شاید مضحکہ خیز بھی لگے۔

وہ عام سے خیالات اور پسند رکھنے والا آدمی نہیں تھا مگر
ماہم کے سامنے اس کے سارے نظریات بھر پوری
مشقی کی طرح جھڑ جاتے اور۔

پریویس کا لڑکا اپنی خوبصورت آواز میں کوئی مشور
عزل گارہا تھا۔ جسمی دم سادھے بیٹھے تھے۔ جسمی پیلو
بدلتے شاہم نے آگے ہوتے رستہ دیکھ کر نگاہ ڈالی
سات بج رہے تھے۔ نہ معلوم یہ پروگرام کب تک
چلے اور پھر کھانا اس نے مانی سے وعدہ کیا تھا۔ جلد
لوٹ آئے گا۔ مانی نے بڑا زبردست پروگرام ترتیب
دیا تھا۔ پتا نہیں کیا کیا اس نے تو توجہ سے سنا بھی نہ تھا
اس کے سارے پروگرام وہی بتاتی تھی۔ وہ اسے اکثر
فیشن شو میں بھی تھیٹ لے جاتی۔ اور وہ ہاتھ پر
ہاتھ رکھے پیلو بدلتا اور ہر آدھری سنورے چوٹیوں پر
نظریں دوڑاتا، ماہم کے گروپ میں بھی اونٹے بیٹے
کے لوگ تھے۔ وہ اس کے گروپ سے اچھے تعلقات

رکھتا تھا۔ مگر کبھی کبھی جھنجھلا لے لگتا۔ سراسر وقت کا
زبان مالا تک یہ وقت اس کی لائبریری میں کتابوں
کے ساتھ گزارنے کا ہوتا ہے اور پھر اس کے کام کا
کس قدر حرج ہوتا تھا۔ مگر صرف مانی کی محبت میں
دلچسپی کا مظاہرہ کرتا۔

اور پھر اس خاندان کے احسانات بھی بھلا دینے کے
قابل نہیں تھے۔ وہ اگر چاہتا بھی تو ان احسانات کے
وجہ سے رہائی حاصل نہیں کر سکتا تھا۔ جب اس کے
اپنی ابا دادے میں گزر گئے تھے اور وہ بے یاد مددگار
نہ۔ بالکل تنہا اور لاوارث، تب مسز گورانی اسے لے
گئی تھی۔ گورانی صاحب کو بھی یہ لڑکا بہت بھلا لگا۔
مخصوص صورت، گہری گہری بولتی آنکھوں والا لڑکا،
جس کی بھوری آنکھوں میں آنسو تھے۔ اور بے حد
خوبصورت چہرے پر بے چارگی۔

ان کی بیٹی نے اسے دوست بنا لیا، وہ اسے ہر دم ساتھ
رکھتی۔ مسز گورانی اور مسز گورانی نے بھی ان دونوں
میں کوئی فرق نہیں رکھا۔ جن صنفی اسکولوں میں ماہم
لے جاتا۔ وہ بھی اسی اسکولوں میں جاتا، جس قسم
کی سٹائشیاں ماہم کو میسر تھیں اسی قسم کی آسانشوں
میں وہ بھی مل بیٹھ کر جوان ہوا۔ بڑا خوبصورت جوان لگتا
تھا، انتہائی خود اعتماد سنجیدہ اور پلو کار ماہم اس کے
لئے چل گئی۔ بیٹی کی خواہش اور پھر لڑکا بھی گھر کا پلا
پوچھا، کلونی بیٹی نظموں کے سامنے رہے گی۔ اور گھر کی
جائیداد گھر میں بیٹی کی بلوں ضد مسز گورانی کو بہت
مشقوں اور محنت منہ لاندہ گی۔

بیٹی بہت فخر سے اپنے ہونے والے منگیترا کا تعارف
کرائی تھی۔

”یہ شاہم ہے میرا ہونے والا منگیترا۔“
اور اس کے گروپ کے لوگ حیرت زدہ رہ جاتے اور
جلن کے مارے جب جاوید اور ہاشم کو اس لڑکے پر
رنگ آتا تھا اتنی حسین و جمیل مانی کا منگیترا لڑکا جسے
انہوں نے احسانات تلے زیر بار کیا۔ اس کی پرورش
کی۔ وہ جیم لڑکا مانی کا ہونے والا منگیترا جاوید نے
حیرت سے سوچا۔ لیکن کہہ نہ سکا۔ یقیناً یہ بات مانی
کو ناگوار گزرتی اور وہ مانی کی خفگی برداشت نہیں

کر سکتا تھا۔ وہ حسین لڑکی کم از کم اس کی دوست تو
تھی۔
”ہاؤ گلی بو آ رہی۔“

شہنا کو شاہم شہنا ملک سے پسند تھا بہت خوبصورت
میں اترنے والا اور خصوصاً اس کی بھوری آنکھوں کی
سجیدگی۔ اتنا پورے لڑکا وہ کہیں سے بھی کمزور بیک
گراؤ ہیڈ کا نہیں لگتا تھا۔

اس نے ایک گھنٹی کو بھری۔ لڑکا اس کے می پلا کو
کیوں نہیں مل گیا تب وہ بھی مانی کی طرح اترا لی پھر
اور مانی اس کی طرح رنگ و جھنڈ میں جھلا ہوئی۔
عقربان دونوں کی باقاعدہ مٹگنی کا اعلان ہوا تھا۔
شاہم کو تقریب کے اختتام پر وہ سفید ساڑھی والی اسے
پھر نظر آئی۔ ہنسی مسکرائی۔ شگاف دانتوں کی قطار
سے جیسے ہر طرف چاندی سی بکھر گئی۔ سونے
کھڑے پر چاندی اور گلاب میں پڑنے والی گلشنوں
تک جمہولتی چوٹی لڑکی عام سی ہوتے ہوئے بھی عام
نہیں تھی۔

”یہ بیٹی مجھ سے سزا ہی تکی ہیں۔“
مشق نے اس کی نظموں کے تعاقب میں دیکھتے
بتایا۔

”جتنی مجھ سے حیرانی ہوئی۔“
بیٹی کو لیک کا اضافہ اور اسے پتہ بھی نہ چلا۔ وہ اسے
اسٹوڈنٹ سمجھ کر اچھی خاصی جھاز بھی پلا چکا تھا۔
اس کا خفت زہ چہوا اور سیاہ آنکھوں کی جھلاہٹ اسے
ابھی تک بھولی نہیں تھی کہ کیا سوچتی ہوگی۔ وہ انتہائی
بد اخلاق ہے جو اپنے نئے آنے والے کو لیکر کے
ساتھ اتنا بھونڈا اور دکھاویہ رکھتا ہے۔

”سزا یہ بھی آپ کے سب جھکٹ سے تعلق رکھتی
ہیں یعنی بار۔“

وہ نے تلے قدم اٹھاتا اس کے قریب چلا گیا۔ وہ کسی
سے فخر منگتو تھی۔

”ہکس کوزی۔“ اس نے سنجیدہ لہجے میں اسے
مخاطب کیا۔

”فریجے۔“ اپنی تذلیل کو یاد کر کے اس کا چہو
سرخ پڑ گیا۔

”میں آپ سے کچھ کہنا چاہتا ہوں۔“
ساتھ بیٹھی لڑکی کے سامنے وہ معذرت نہیں کرنا چاہتا تھا۔

”ذرا اس طرف آئیے۔“
”جی میں نے اچھی طرح معلوم کر لیا ہے اس نشست پر آپ کا کوئی حق نہیں۔“
وہ اسے خوب سی شرمندہ کر رہی تھی۔
”پلیز۔“ وہ نکتہ زدہ سا اتنا ہی کہہ سکا۔
وہ اٹھ کر اس کے قریب آئی۔
”دراصل یہ سب غلط فہمی کی بنا پر ہوا میں آپ کو کچھ اور سمجھا تھا۔“
”کچھ اور مطلب میں آپ کو انسان نے نظر نہیں آئی۔“

لڑکی کا مسکراہٹ اڑانے والا انداز اس نے اضطرابی انداز میں اپنے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں ایک دوسرے میں الجھائی تھیں۔
”آپ کو ہاتھ دہراؤں کے مالک ہونے کو انسان کہتی ہیں تو یقیناً غلطی پر ہیں انسان ہونے کے لئے انسانیت غلوں اور اور رواداری جیسے لوازمات کا ہونا ضروری ہے۔ اور ساتھ ساتھ خوبصورت ذہن اور دل بھی۔ ہر حال میں اپنے رویے کی معذرت چاہتا ہوں۔“

وہ اسے دم بخود چھوڑ کر واپس مڑ گیا۔ اس شخص کے جواب نے اس کی ساری اکتاہٹ ختم کر ڈالی تھی۔
”مس کزنی چلیے کھانا شروع ہو گیا۔“ مسز جشید صدیقی نے کہا تو وہ چونکی۔
بڑا خوبصورت ماحول تھا۔ ماحول میں بڑھتی خنکی میں۔ تالوں کی چھاؤں میں لمبی لمبی میزوں دو اطراف میں اور بڑا پر کلف کھانا۔ وہ مین آئیٹم تھے مگر زبردست اس نے برائے نام ہی پلیٹ میں اپنے لئے لوازمات ڈالے۔

کھیرے کا کھڑا دانوں سے کترتے بلا اراہ ہی اس کی نظریں اس کے تعاقب میں دور تک گئیں۔ وہ اپنے کسی کو ایک سے کسی بات پر گھنگو کر رہا تھا۔
پونے کا ہم انداز اور ان بھوری آنکھوں میں کیسی

جنگ تھی جو مقابل کو اپنی طرف کھینچ لیا۔
لوگ اپنی خوبصورتی سے آگاہ ہوتے ہیں۔ اس کا راز بڑا سادہ ہے اور بلا کا احمد اس کی شخصیت کو مزہ چکاتا تھا۔
”کپ ملی ہیں شاہم صدیقی سے؟ اس ادارے کی جان ہیں موصوف۔“ مسز جشید نے کھل کر تعریف کی۔
”مجھے اس ادارے میں بندہ سل ہو چکے ہیں مگر شاہم جیسا سچا ہرگز آج تک میری نظر سے نہیں گزرا۔“ بحیثیت استاد بھی وہ بہت قابل تعریف ہے اور بحیثیت انسان بھی۔ بسنی مجھے تو بہت اچھا لگتا ہے۔“

مائی اس کا انتظار کرتے کرتے چلی گئی تھی اور وہ ابھی تک واپس نہیں کیا تھا۔ سارا پروگرام بھلا ہو گیا اور مائی کا موڈ بھی۔
جاوید کا فون آیا تو وہ خوب جلی بھنی بیٹھی تھی۔
”کیا کر رہی ہو؟“

”انتظار میں حل رہی ہوں۔“
”بھی مزید جلنا ہے یا میں لینے آ جاؤں؟ کہیں سوپ بننے چلتے ہیں۔“
”جی آ جاؤ۔ میں تیار ہوں۔“

وہ جاوید کے ساتھ چلی گئی۔ وہ واپس پر شاہم سے اچھی طرح جھٹلے گی۔ پھلایہ شرافت ہے اسے انتظار کی سولی پر لٹکا کر خود عتاب ہے۔
رات بارہ بجے اس کی واپس ہوئی۔ شاہم کے کمرے کی جلی روشن تھی۔ وہ ٹنگ ٹنگ کئی سیدھا اس کے کمرے میں دووازے پر دستک دیئے بغیر آئی وہ کسی کتاب میں منہ دیئے بیٹھا تھا۔
”یہ کیا حرکت تھی؟“

مائی نے ناگواری سے اس کے ہاتھوں سے کتاب تقریباً جھپٹ لی۔
”کیوں سی حرکت؟“
اس کی آنکھیں مسکراہٹ روکنے کی کوشش میں مزہ جگمگا گئیں۔

”میں میرے پروگرام کو بھلا د کرنے کی بجھ سے وہاں لے کر کتاب ہو گئے۔“
”یار! لنگشن تھا اس لئے دیر ہو گئی۔ مجھے کیا معلوم تھا تم اتنا برا مان جاؤ گی۔“
اس نے اپنا کوجہ معذرا کیا۔ وہی احسانات کا بوجھ اور یہ لڑکی سے پسند بھی تھی۔
”چھوٹا تو کیا میں برا بھی نہ مانوں مجھے جو کوفت اٹھانا پڑی۔ اس کا تمہیں کچھ اندازہ ہے۔ میں تمہیں بچپن سے جانتی ہوں۔ تم ایسے ہی ہو لا پروا اور بڑے روئے۔“

”میں بڑا ہوا۔“ وہ ہنس دیا۔
”خدا کے واسطے مائی اتنا غلط الزام نہ لگاؤ پروگرام بھلا ہو گیا تو دیر ہو گئی۔ ورنہ تم جانتی ہو۔ میں نے ہمیشہ تمہاری پسند ناپسند کا خیال رکھا ہے۔“
”اور تم جانتے ہوتاں۔ میں نے ہمیشہ تمہیں مجھ پر غصہ کر دیا ہے۔ انہوں نے کبھی تم میں اور مجھ میں کوئی فرق نہیں رکھا۔“

یہ وہ ہمیشہ سے سنتا آیا تھا۔ اس کا مطلب وہ ان کے احسانات تلے دیا ہے اس لئے اس کی اپنی کوئی سوچ اور کوئی شخص آزاد نہیں۔ اسے ہر حال میں اپنے احسانات کی قیمت چکانی ہے اور بس وہ چون چاہے بھی میں کر سکتا اور اس کے پاس کوئی چوائس بھی نہیں۔
اس نے ایک گہرا سانس بھرا تو اس میں بھر کر آزاد

”میں سب جانتا ہوں۔“
”یہ بھراؤ اس کی بے حاشا حسین آنکھوں میں ایک بلیہ سالہا لیا تھا۔“
”خدا کا خیال رکھنا۔ میں ایسے رویے برداشت کر سکتی۔“ حکم کے ساتھ ساتھ ڈھکی چھپی دھمکی

”کی کھٹ کھٹ کرتی باہر نکل گئی۔ اسے مائی کا یہ غور از انداز شدید پسند تھا۔ وہ اپنے پالنے والوں کا سنا سننا شاید مگر کبھی نہ چکا پائے۔ اس کی پوری زندگی اس کے پاس گروی ہے اور پھر مائی کے پاس مجھے شاہنگ کے لئے لہلی جانا ہے۔“

وہ ہر دوپہر سے اس کے ساتھ مختلف کالوں پر گفتگو کرتا پھر آٹھ بج کرانے کی پارلر میں جا کھستی۔ وہ تین گھنٹوں کا مزید خیابان اور آٹھ بج میں گھسا کتا میں گھسا کتا اس کا انتظار کرتا پھر کبھی تک آتا تھا۔
”مائی اتنا پیسہ بھلا کرئی ہو؟ آخر کیوں؟ تمہاری داماد وہ بچہ کونوں سے بھری ہے یہ معنوی سہولت کے ہتھیار مجھے لڑکیوں کا جینا سنورنا اچھا لگتا ہے مگر اس طرح وقت کی بھلائی۔“

”وقت کی بھلائی ہی حسن کی قیمت ہے۔ جس میں کیا پتا پارلر میں دو تین گھنٹے گزارنا معمولی بات نہیں۔ حسن کی اگر حفاظت نہ کرو تو وہ ضائع ہو جاتا ہے۔“
”اور پیسے کا خیابان حالانکہ پیسہ کتنی مشکل سے کما جاتا ہے۔“

”اے کم کن ہا ہا کے پاس اتنی دولت ہے کہ اگر میں دونوں ہاتھوں سے بھی لٹاؤں تو ختم نہ ہو اور پھر تمہیں بھی اختیار ہے جتنا چاہے خرچ کرو ہا ہا ہر ماہ تمہیں ہزاروں روپے جیب خرچ کے طور پر دیتے ہیں۔“
”حقیقت تھی۔ وہ خود بھی آسائشوں کا عالمی ہو چکا تھا۔ وہ یہ بھی لگتا تھا مگر خیال سے۔ اس کے پاس کے دیئے روپے اور پھر اس کی اپنی تنخواہ اس کا گزارا بہت اچھا ہو جاتا تھا۔“

اور پھر وہ قیمتی گاڑی۔ وہ بھی انہی کی دین تھی۔ مسز گورانی کا خیال تھا ان کے ہونے والے داماد کو لمبی گاڑی میں پھرنا چاہیے۔

خاصا لہذا موسم تھا۔ اور ساتھ میں گھناؤں کا بھرا ہلکی بارش مسلسل برس رہی تھی۔ وہ ٹاشٹے کے لئے میز پر آیا تو کبھی موجود تھے۔
”بھیلو مائی سن۔“

مسز گورانی کا انداز ہمیشہ سفید چمڑی والی میوں جیسا ہوتا تھا۔
”صبح بخیر۔“ وہ کرسی چھینٹ کر بیٹھ گیا۔
”تم نے مائی کو منگنی کی شاہنگ کرا دی۔“ انہوں نے پوچھا۔
”گھناؤں ہی اسے تو آج کل فرصت ہی نہیں کیا

پھول کی طرح بڑھانا شروع کر دیا۔ اتنی چپ چاپ میرے گروپ کے سارے لوگ باتیں مانتے ہیں۔ اسے پیانے کے بزنس میں ان کا ہاتھ بٹانا چاہیے۔ چار پانچ ہزار کما کر سمجھتا ہے کوئی تیر مار لیا۔ جسکی تمہاری اس کمائی سے میرا کیا بنے گا۔ تو میرے بار بار کا خرچہ بھی نہیں ہے۔ اسے دوسروں کی عزت نفس کا کبھی خیال نہیں رہتا تھا۔

”مگر تم مایا! تمہارے پیانے کا سب کچھ تمہاری ہی ہے۔ اوکے سن تم ایسا کوجھ سے چیک لے لو اور مایا کو ساتھ لے جا کر اس کی پسند کی شاپنگ کرا دو۔“

سزگورانی نے جیسے مسئلہ ہی ختم کر دیا۔ سارے راستے وہ سوچتا آیا، واقعی چار پانچ ہزار تو وہ چکیوں میں اڑا دیتی ہے۔ محض اس کے جوتوں کا خرچہ یا پھر ایک دن کے کپڑوں کا وہ مایا کی باتوں کا کبھی برا نہیں مانتا تھا مگر وہ جب اس کی جاب کو تنقید کا نشانہ بناتی تو اسے قطعی اچھا نہیں لگتا تھا۔ یونیورسٹی میں بڑھانا اس کا خواب تھا۔ اپنی یہ جاب ہرگز ہرگز نہیں چھوڑ سکتا تھا۔

کسی وجہ کے بغیر اس کا دل بے تمنا شاوا اس ہو گیا۔ اس نے گاڑی ڈیپارٹمنٹ کے سامنے والے پارکنگ لائٹ میں کھڑی کر کے کھڑکی کے شیشے سے باہر جھانکا۔ بارش دھواں دھار تھی۔ دور تک نظر آنے والی بوندوں میں شدت تھی۔ اور خشکی میں اضافے کا باعث بھی۔

وہ سرعت سے باہر نکلا اور دو دنہ لاک کر کے تقریباً دوڑتے ہوئے اندر برآمدے تک آ گیا۔ اس کی ریس پر بوندوں نے اپنی پہچان مثبت کر دی تھی۔ اس کے ہاتھوں کا بھی یہی حشر تھا۔ پیشانی پر چپکے بال اگلیوں سے بے کرتے بلا ارادہ اس کی نظریں ذرا فاصلے پر ستون کے ساتھ کھڑی لڑکی پر جا پڑیں۔

آج وہ ٹکے سرسئی رنگ کی ساہن شلوار ریس میں تھی۔ لائمی چولی پشت سے نیچے تک لگتی اپنی سلونی رنگت سمیت وہ اس سلونے موسم کا ہی ایک حصہ لگ رہی تھی۔ اس لڑکی میں ایسی کوئی بات نہیں تھی جو اسے دباؤ دے دے۔ مگر جانے کیوں اس کی نگاہیں اس کی چولی

پر تک سی گئیں۔ جھلان ہاتھوں کا مایا کے ہاتھوں سے کیا مقابلہ ہو رہا تھا حسن ہے شعلہ جو والا ہے اور یہ لکھنوی مدھم مدھم کھڑکی سے سلوتا روپ، جس میں نہ دھول کو گد گد لانے کی اہلیت ہے اور نہ ذہن کو چونکانے کی۔

اس کے ہاتھوں پر نظریں ہٹا نہیں جا رہا تھا۔ اسی لمحے کتھڑی نے بھی اسے دیکھا تھا، لیکن وہ اسے مخاطب کئے بغیر اس کی موجودگی کا نوٹس لے بغیر آگے بڑھ گیا تھا۔

وہ چند لمحوں کو اپنی جگہ سن کھڑی رہ گئی۔ اس کے مشورہ اندہ دھیرے نے اسے مت دیکھ پھینچا تھا۔

”میڈم! آپ یہاں کیوں کھڑی ہیں؟ وہاں سب ہیں آئیے بڑی دلچسپ گفتگو ہو رہی ہے۔“ ایک اسٹوڈنٹ نے اس کے قریب آ کر کہا۔

شاہم طالب علموں میں گھرا کھڑا تھا۔ ”دراصل موسم کے تقاضے کے تحت ساتھیوں کا اصرار تھا کہ آج کلاس نہ لی جائے مگر شاہم کو قائل کرنا جوئے شیر لانا ہے۔ آپ اور سر شاہم ایک ہی سبجیکٹ سے تعلق رکھتے ہیں۔ آپ ان سے کہیں

ہیں۔“ وہ بغیر کسی حیل و حجت کے اس کی سمت بڑھ گئی۔

”سرنیہ مس کتھڑی ہیں۔“ اس لڑکے نے اپنی دانست میں اس کا تعارف کرایا۔

”نہیں جانتا ہوں۔“ اس نے بے رخی سے کہا۔ وہ سخت آمیز چہرے کے ساتھ دوسری طرف دیکھنے لگی۔

”میدم ہے کہ یہاں کے لوگ اور ماحول آپ کو پسند آئے گا۔“

اس نے رسمی سا فقرہ ہرایا۔ ”جی۔ سب بہت اچھے ہیں۔“ وہ آہستہ سے بولی۔

”معاف کیجئے گا، مجھے کچھ کام ہے۔“ وہ ایک دم کہہ کر آگے بڑھ گیا۔ وہ حیران سی دیکھتی رہ گئی۔ آنکھوں میں جیسے کٹکڑے جھینے لگے۔

اس کے ہاں باپ نہیں تھے، نہ تمنا تھی۔ مگر منہ بولا

تھی۔ مگر آج جیسے اس شخص کے دھیرے نے اس کے گرد غول بڑھا دیا۔ اس شخص کی سنجیدہ شخصیت اور بے تمنا سمجھوری آنکھوں کی گہرائی کو دیکھ کر لگا تھا جیسے ہاتھ کب سے جانتی ہے۔

وہ اس رات بستر پر لیٹی تو اسے اپنا وجود کس قدر بے معنی اور بے کار لگا۔ اس شخص کی آنکھوں میں اپنے لئے بے رخی دیکھ کر اسے اپنا آپ کس قدر حقیر لگا۔ بت سمجھ کر لڑکی تھی۔ اس نے اپنا ہر دو اپنے اندر چھپا کر رکھا تھا۔

غلا اور خالہ پر وہ بوجھنی تھی۔ اس نے اس زخم کو بھی کسی پر آشکار نہیں کیا۔ خالہ کی اپنی ضروریات تھیں۔ خالو کی کھڑکی میں دو وقت کی روٹی نہیں چلتی تھی۔ اور پھر ان کے اپنے بچے دو لڑکیاں دو لڑکے۔

ان کا اپنا خرچ، خالہ اوپر سے اس کا مفت کا بوجھ بڑھانے کا دنا دیا کرتی تھی۔ تب اس نے اپنی ساری توجہ اپنی تعلیم کی طرف منقل کر لی۔ وہ دن بھر کام میں جتی رہتی اور ساری رات کتابوں پر آنکھیں جمائے بیٹھی رہتی وہ بڑھ لکھ کر اپنے پیروں پر کھڑی ہو جائے گی تو اسے خالہ کی اتنی کڑوی کسلی باتیں سننا نہیں

گی۔ اور جب وہ اپنی کمائی خالہ کی ہتھیلی پر لا کر رکھتی تو شاید ان کی زندگی کی سختی کچھ کم ہو جائے۔

اس نے دیکھا تھا جب سے اس کی نوکری لگی تھی۔ خالہ کے کوسنوں میں کمی آگئی تھی۔ البتہ وہ بات بے بات منگائی اور خالو کی کم آمدنی کا شور مچائے رکھتی تھی۔

وہ اس لگی بندھی زندگی سے اکتا گئی تھی۔ یہ اس کا نام نہ خون کا رشتہ تھا جیسے کھونا نہیں چاہتی تھی۔ خالہ اس سے محبت تھی، مگر گھر کے مسائل نے انہیں کبھی سہلت ہی نہ دی کہ وہ اس محبت کا اظہار کرتی۔

”کیا کیا ہے اماں ڈال۔“

خالہ نے کھانسی کا زحمتا اٹھا کر اندر جھانکتا۔ ”اور کیا تو روم پکاؤں تیرے اہا کے کارخانے چلتے ہیں کیا؟ یہاں تو دن میں ایک وقت پیٹ بھر جائے تو ہی بہت ہے۔ ایک کمانے والا اور اتنے کھانے والے۔“

اس کے پیٹ زہان سے سختی ہی اگل سکتی تھی۔ ”تم لوگ کسی کمائی جو کے ہو جاؤ تو یہ دلہرہ دلہرہ ہو۔“

اس نے اس کی طرف سے اس کا جواب دیا۔ ”جی۔ سب بہت اچھے ہیں۔“ وہ آہستہ سے بولی۔

”معاف کیجئے گا، مجھے کچھ کام ہے۔“ وہ ایک دم کہہ کر آگے بڑھ گیا۔ وہ حیران سی دیکھتی رہ گئی۔ آنکھوں میں جیسے کٹکڑے جھینے لگے۔

اس نے دل میں سوچ لیا تھا وہ اپنی ساری کمائی خالہ کی ہتھیلی پر رکھ کر ان کی ساری برکتیاں دھو کر دے گی۔ یہ سلی ترشی یہ منگنی جھیلنا بڑے دل گدے کا کام ہے۔

پھر رات بھر محو میں اور تمنا میں کا احساس اسے دلا تا رہا۔ سمجھ میں نہیں آتا تھا۔ اس کے اندر کا اطمینان کھل کر رخصت ہو گیا۔ جلا تک پہلے بھی اسی محبت کے نیچے سوئی اور جاگتی تھی مگر یہ بے چینی کیا پتا اس کے اندر وہ جذبہ کن بسا ہو جو دکھ دتا ہے ویسے تو محبت کسی کو بھی خوشی نہیں دیتی۔

رات بھر جانے کی وجہ سے اس کی نیند پوری نہیں ہوئی تھی۔ وہ ڈیپارٹمنٹ آئی تو نا آسودہ تھی اگر وہ محض اس سے رہتا۔ ”بھی بہت چیت کر لیتا تو اس کی اتنا کی تسکین ہو جاتی۔“ وہ اپنے بانی سب کو لیکر سے اچھی طرح بات کرنا تھا مگر اسے بکسر نظر انداز کر دیتا۔ اس کا

یکساں رویہ اس کی خودداری کو محض پہنچاتا تھا۔ سختی دلفرد اس نے سوجھا خود اس سے کچھ کہے۔ لیکن کیا کہے۔ دلچتا۔ اس نے گاڑی کے بالکل زوریک کھڑی کتھڑی کو پلٹ کر دیکھا۔

”ایک منٹ۔“ کتھڑی نے اسے خود ہی بلا لیا۔ ”جی فرمائیے۔“

دو زلزلہ جیسا الجھی انداز۔ ”کچھ نہیں۔“ وہ گھبرا گئی۔ ایک لمحے کے لئے اسے اپنی بے اختیار ساری بر شد یہ غصہ آیا۔ اگر کوئی اس سے بات نہیں کرنا چاہتا تو پھر خود کو نچا کر آنے سے کیا فائدہ وہ وہاں جانے کے لئے کتھڑی۔ ”سنیے۔“ وہ ایک دم اس کے راستے میں حائل ہو گیا۔

”آپ اپنی بات پوری کیجئے۔“ اس کا لہجہ بیٹھ کی طرح سرسری اور لا پرواہ تھا۔

”کوئی بات نہیں۔“ اس نے سائیڈ سے لگتا چلا۔ ”ایک بات کہوں۔ جس انسان میں خود اعتمادی نہیں وہ زندگی میں کچھ نہیں کر سکتا جب کہ آپ مجھے خاصی سمجھدار لگتی ہیں۔ پھر اس قدر ابھرنے کا کیوں شکار ہیں۔“ وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ سکتے ہوئے بولا۔

دلچتا۔ وہ چونکا ان سیاہ آنکھوں میں اداسی کی

پرحمائیوں تمہیں شاید لڑکی اپنے اندر کوئی بہت بڑا دکھ چھپائے پھری ہے۔
 ”کیا کوئی مسئلہ ہے۔“ اسے اس سے ہمردی محسوس ہوئی۔
 ”مسئلہ تو کوئی نہیں۔“ وہ ان بھوری آنکھوں سے فرار چاہتی تھی۔
 ”آپ بتانا نہیں چاہتیں تو آپ کی مرضی۔“ وہ بلاوجہ ہنسا۔

اس کے چہرے کے اترتے رنگ کو اس نے چند لمحوں کے لئے دکھا اور گاڑی کی چابی جیب میں ڈالتے آگے بڑھ گیا۔

واپسی میں وہ بس کے انتظار میں کھڑے کھڑے سوکھ گئی تھی۔ یہاں سے اسے دو بیسیوں بدلتا پڑتی تھیں۔ اور پھر دس پندرہ منٹ کی مسافت الگ۔ موسم کے آثار اچھے نہیں تھے۔ بادلوں سے ڈھکا آسمان وہ بہت پریشان تھی۔ اگر بارش شروع ہو گئی تو وہ کیا کرے گی۔
 ”آئیے آپ کو چھوڑ دوں۔“

شاندار گاڑی غریب آن رکی۔ اور اس کی کھڑکی سے نظر آتا شاندار سراپا وہ حیرت کی زیادتی سے جیسے بت بن گئی۔ اتنا بااخلاق کب سے ہو گیا۔
 ”اس وقت بس آپ کو مشکل سے ملے گی۔“

”میں چلی جاؤں گی۔“

وہ مدغم کعبے میں بولی، حالانکہ اس کا وہاں وہاں چل رہا تھا، وہ اس کے ساتھ بیٹھ کر طویل مسافت پر نکل جائے، ایسی مسافت جو کبھی ختم نہ ہو۔ ارے یہ پاگل دل کیسی خواہش کرنے لگا تھا۔

”انکار کی وجہ؟ کیا مجھ پر اعتبار نہیں۔“ اس نے سادگی سے پوچھا۔
 ”نہیں، ایسی تو کوئی بات نہیں۔“ اس نے سنجیدگی سے کہا۔

اور جب چاہا اس کے برابر بیٹھ گئی۔
 ”مہاراجا شکر یہ۔“ وہ ذرا سا مسکرایا۔

سلونی رنگت، سیاہ بالوں کی بے حد لمبی چوٹی اس کے سائیڈ میں پڑی تھی۔ دلچسپا، شاہم کا جی چاہا وہ ان

بالوں کو چھو کر دیکھے۔ مگر کیوں۔؟ کیوں آخروں نے سب اس لڑکی کی طرف متوجہ ہونا چاہتا ہے۔ اور اگر مائی کو پتا چلا تو وہ اس کی اور اپنی جان ایک کر کے رکھ دے گی۔

اس نے ایک جھٹکے سے اپنی گردن سیدھی کر کے نگاہیں دینڈا سکرین پر جمادیں۔ اور ایک سیلیئر پر ہلکا دیا۔

”آپ کہاں رہتی ہیں۔؟“

”آپ کی دنیا سے بہت دور جگہ ہے۔“

اس کے لہجے میں اداسی تھی۔
 پتا نہیں یہ شخص اس کے دل میں کیوں گھر کرنے لگا جس کے آگے اس کی حیثیت صفر تھی اور اس نے اس آدمی کے متعلق سوچا جو روپے پیسے میں کھیلا تھا۔ جو بچی چوڑی گاڑی میں آتا تھا۔ وہ اونچے ایشینس والا اس جیسی بے چاری غریب لڑکی کی طرف نگاہ اٹھاتا بھی گوارا نہیں کرے گا۔ پتا نہیں وہ یہ مرض چکے چکے اندر کیوں پال رہی ہے۔ اور۔

”آپ کے گھر میں کون کون ہے۔؟“
 وہ بات کرنے کی غرض سے پوچھ رہا تھا۔
 ”خالہ خالو۔“

”اور آپ کے والدین۔؟“

”یہ نہیں ہیں۔“ وہ ہٹکارتی تھی۔ شاید دل گردن بھی تھی۔

لہجے بھر کے لئے جیسے سناٹا چھا گیا۔ سننے والے کے چہرے پر بھی جیسے ایک تاریک سایہ لہرایا تھا۔ ان دلوں کا درد مشترک ہے۔ کتنی عجیب بات ہے، اس نے نظر اٹھا کر ساتھ بیٹھی لڑکی کی جانب دیکھا۔ تنہا ہونے کے باوجود اس نے اپنی زندگی کسی کے پاس گروی نہیں رکھی۔ وہ اس کی طرح بڑھل نہیں۔ کتنا فرق ہے ان دلوں میں۔ وہ اپنی طبیعت کے خلاف اپنے پالنے والوں کی ہر بات مانتا ہے۔ شاید اس لئے بھی کہ انہوں نے اسے دنیا بھر کی آسائشیں مہیا کی ہیں۔ اگر وہ ان کے احکام کی خلاف ورزی کرے تو بلا مالذ اسے ان آسائشوں سے ہاتھ دھونا پڑے گا۔ آسائشوں سے محروم ہونے کا مطلب اس کی موت

ہونا ہے۔ مجزیہ نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس کی بیٹیوں میں میں ویرام اس قدر بیٹھ گیا کہ اس کی عزت نفس اور حیرت بھی جاسوسی آن دنوں زندگی سے جیسے اس کا جی اچاٹ ہو رہا تھا اگر وہ سر اٹھائے گا تو احسان فراموش کھلائے گا۔

”آپ کے گھر میں کون کون ہے۔؟“

بت جھجک کر اس نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔
 ”مجھے ضروری کام سے پہنچنا ہے فوراً آپ اپنے گھر کا راستہ بتائی جائے۔“ اس نے برہمی سے کہا۔
 فائدہ حیرانی سے اسے دیکھ کر رہ گئی۔

اس کا سوال ایسا تو نہیں تھا کہ وہ آپ سے باہر ہو جائے۔ بلکہ یہی سوال اس نے خود اس سے بھی کیا تھا۔ وہ ذات سے بیٹھی ہاتھ مسل رہی تھی۔ وہ ہمیشہ سے ایسی ہی تھی۔ غلطی نہ ہونے پر بھی شرمسار ہونے والی۔ وہ بچوں کی طرح جھاڑ پڑنے کے خوف سے بڑھتی رہی۔

بھونکا علاقہ، تنگ گلیاں اس نے گاڑی باہر میں روڈ پر پار کوالی۔

”شاید آپ اپنا گھر نہیں دکھانا چاہتیں۔“ اس نے سنا تو کتیزی نے ایک بار پھر حیران ہو کر اسے دیکھا، کیا ہے۔
 ”میں گھڑی میں تو کہ گھڑی میں ہاٹ۔“
 ”مگر آپ آنا چاہیں تو ایک کپ چائے پی جائیے۔“

اسے ذرا بھی امید نہیں تھی وہ اس کے ایک بار کہنے پر اس کے ساتھ جانے پر آمادہ ہو جائے گا۔ گاڑی کا اندازہ لاک کرنے دیکھ کر وہ اتنا تو سمجھ ہی گئی۔ وہ یقیناً اس کی حیثیت کا اندازہ کرنے اس کے گھر تک آنا چاہتا ہے، پیر تو اللہ کی دین ہے۔ اس میں شرم کیسی۔
 بل انسان انسانیت کے دائرے سے باہر ہو جائے تو شرم کی بات ہے اور۔

گھڑی کے دروازے کے اندر قدم رکھتے اس نے دیکھا۔ چھوٹا سا مگن اور ساخنہ دکھائے ان کے پاس تو سماںوں کو بٹھانے کے لئے ڈھنگ کی کرسی میز بھی لگی تھی۔

”بیٹھے۔“ خستہ سی کرسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ہٹکارتی تھی۔

”شکر یہ۔“ وہ بڑے تکلف سے تک گیا۔
 خالہ گھر میں نہیں تھیں اور ان کی دونوں بیٹیاں بھی عالم اور کلیم تو ویسے بھی سارا سارا طنز نہ معلوم کہاں خوار ہوتے تھے۔ خالہ جاتے ہوئے دروازے کو تھلا کر نہیں جاتی تھیں۔ چھوٹا سا کھڑے چوری چکاری کا کاپڑ اور پھر اس گھر میں چرانے کے لئے رکھا ہی کیا تھا۔ سامنے والی چابی کا دروازہ کھلا رہتا اس لئے گھر کی گھرانی رہتی تھی۔

”آپ کلنی بنانا پسند کریں گے۔“
 وہ اپنے لئے بھی کھار کلنی کا اہتمام کر لیتی تھی۔ کلنی کا ڈبہ اس نے اپنے پیٹل سے منگوا کر رکھا تھا۔ بھلا خالہ ایسی فضول خرچیوں کی اجازت دیتیں۔
 ”مگر آسانی سے ممکن ہو تو۔“ وہ بڑے آرام سے بولا۔

وہ چیز سے بلور جی خانے کی طرف لگی اور جتنی دیر کلنی تیار ہونے میں لگی نہ سوچ سوچ کر ہراساں ہوتی رہی۔ اگر خالہ آگئیں تو وہ انہیں کیا جواب دے گی۔
 وہ کلنی لے کر آئی تو نہ سمایت اسناک سے دروازے کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اسے آنا دیکھ کر وہ سیدھا ہو بیٹھا۔
 ”مفتاح دیکھئے۔ کن گھر پر کوئی بھی نہیں۔“

”مطلب آپ چاہتی ہیں جلدی مل جاؤں۔“
 ”نہن۔ نہیں میرا مطلب یہ نہیں۔“ وہ سچا گئی۔
 پہلی مرتبہ اس کے لبوں کو مسکراہٹ نے چھوا۔
 کلنی کے لئے اس کا بوجھا ہاتھ اسی زاویے پر کانپتا رہا۔
 وہ کتنی دیر اس کے ہاتھ کی لرزاہٹ کو توجہ سے دیکھتا رہا پھر خود سے بولا۔

”آپ میرے آنے پر بالکل ہی گم صم ہو گئیں، لگتا ہے آپ کو توقع نہیں تھی کہ آپ کے رسا“ گننے پر میں چل ہی بڑوں گا۔“

”نہیں، گنیز“ آپ غلط سمجھ رہے ہیں، آپ یہ کانی لیجئے۔“
 ”شکر یہ۔“ اس نے اسی اطمینان سے کرسی پر بیٹھے اس پر سے نظریں نہیں ہٹائیں۔

”پارٹنٹ سے واپسی کے بعد آپ کے کیا شوق ہیں۔“

”کچھ خاص نہیں اور پھر شوق تو آپ جیسے لوگوں کے ہوتے ہیں۔“

”مجھ جیسے مطلب؟“

”وہ اتنا کندھن تو نہیں تھا۔“

”مطلب آپ جیسے امیر لوگوں کے۔“

اس نے صاف بات کر کے جان چھڑائی۔ اتنا تو وہ جان ہی گئی تھی اس کے سامنے گول مول بات کا کوئی فائدہ نہیں۔

”آپ سے کس نے کہا میں امیر ہوں۔“

اس نے جیسے اس کی بات سے بہت حفا اٹھایا تھا۔ اس کے سوال سے بچنے کے لئے اس نے کافی کامک اس کے ہاتھ میں تھما دیا۔

”کافی اچھی بنا لیتی ہیں آپ۔“

کافی کا ایک گھونٹ بھرتے ہوئے اس نے بے اختیار کہا۔ ان سلوٹے ہاتھوں کی ساری مطاس اس کافی میں یہی ہے اور یہ سیاہ آنکھیں جن میں کتنے کتنے بت سے جانے ان جانے رنگ تھے۔

”مجھے السوس ہے میں نے آپ کا وقت ضائع کیا۔“

”نہیں۔ آپ کے آنے سے مجھے خوشی ہوئی ہے۔“

”سچی کہہ رہی ہیں مگر مجھے آپ کے انداز سے یوں لگا جیسے اگر میں تھوڑی دیر مزید بیٹھا تو آپ خود ہی دھکا دے کر مجھے نکل باہر کریں گی۔“ وہ مسکراتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔

”خدا حافظ۔“

اور وہ گنگ سی رہ گئی۔ ایسی بات اس نے کیسے سوچ لی۔ اس کی خاموشی کا کتنا غلا مطلب لیا تھا اس نے۔

رات تک اس کے دل سے اس کی بات کا دکھ نہیں گیا اور صبح تک تیز ہواؤں کی شدت سے کھڑکیاں دروازے بچتے رہے۔ پارشل کا موسم ہر طرف جل

محل کودتا ہے اور ان کی گل میں تو پانی کھڑا ہو جاتا تھا۔

بہ شکل ڈی پارٹنٹ جاسکی۔ ابھی اس نے

ڈی پارٹنٹ کے پارکنگ لائٹ میں قدم رکھا ہی تھا کہ جانی پہچانی گاڑی اس سے ذرا فاصلے پر ٹنر کی طرح اس شخص کے ساتھ جیسی لڑکی جانی پہچانی نہیں تھی۔

حسین و جمیل لڑکی بہت ماڈرن تھی بہت سی نظر کی اس کی طرف اٹھی تھیں۔

کتنی کو ایک دم ہی اپنے کتر ہونے کا شدت سے احساس ہوا۔ اس لڑکی کی اس کے ساتھ موجودگی بے سبب نہیں اور پھر وہ جانتی تھی وہ بے حد ریزو شخص ہے۔ اس کے بارے میں آج تک اس نے کوئی غلط بات نہیں سنی اس طرح ایک لڑکی کے ساتھ گھومنے کا مطلب صاف اور واضح ہے۔

وہ لڑکی بڑے احمد سے اس سے پڑ پڑا تھی کوری تھی۔ شاہم نے بت بنی لڑکی کے قہب سے گزرتے نادانستہ اس کے چہرے پر نگاہیں ڈالیں۔ وہ دونوں سے بیڑھیوں پر تھپا چھوڑ گئے۔

اس نے اس لڑکی کا تعارف کرانے کی زحمت ہی نہیں کی۔

شاہم کے رویے نے اسے بہت تکلیف دی۔ کیا تھا اگر وہ رک کر۔ اس سے تعارف کرانے تو

وہ دونوں ساتھ ساتھ کتنے اچھے لگ رہے تھے۔ شاہم سورج کی جوڑی تھی۔ پھر بھلا اس عام سی لڑکی کے متعلق وہ کیوں سوچتا۔ اس بے حد ماڈرن اور اونچے طبقے والی لڑکی کے سامنے وہ سیدھے ہاتھوں اور سارے کپڑوں والی لڑکی تو دکھائی بھی نہیں دیتی تھی۔

بارش کی تیز پھوار نے اس کے چہرے کو بھگوا توں کلاس میں آگئی۔ لیکچر دیتے کتنی مرتبہ اس کا دھیان اس کی طرف گیا۔ وہ ڈھنگ سے پڑھا بھی نہ سکی۔ اسے خود بھی لگ رہا تھا جیسے اس کا اترا تراچو اس کی اداسی کو سب پر فاش کر دے گا۔

پریک میں وہ گینٹین میں آ بیٹھی تو سبز جشید وہیں تھیں۔

”ہیلو کزنٹی! شاہم کی ہونے والی مگیت سے میں تم باؤ کیوٹ اتنی حسین لڑکی میری نظر سے کم ہی گزری ہے۔ بہت خوبصورت چل ہے۔ پورا چھار گھنٹا لگا

شاہم، ہمیں آج بھی بتانہ چلنا تو شاہم ضد کر کے اس

کے ساتھ آئی۔ دراصل آج اس کی سالگرہ ہے۔ خود شاہم کے ساتھ اس کی چھٹی کی درخواست دینے تھی تھی۔ اب تم پوچھو گی کہ اگر بغیر درخواست کے ہمیں کر لیتا تو کیا مضائقہ تھا۔ دراصل وہ بہت اصول بند آدمی ہے اور۔“

سبز جشید اس کے چہرے پر پھیلی زردی سے بے خبر بے تکان بولتی جا رہی تھیں۔

”وہ سب کو انوائیٹ کر کے گئی ہے۔ تم بھی چلو گی ہیں۔“

”نہیں سبز جشید! میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔“

”بری بات! وہ جلدی میں تھے اس لئے مجھے کہ گئے تھیں چلنا ہو گا۔ بہت برا لگے گا اور پھر شاہم ہمارا کو لیک ہے۔“

اس کا سر درد سے پھنا جا رہا تھا۔

”مگر تمہیں کونوئس کا مسئلہ ہے تو میں تمہیں گھر سے لے لوں گی۔“

انہوں نے اس کے پاس انکار کی گنجائش ہی نہیں چھوڑی۔

گھر آ کر کتنی دیر بے دم سی پڑی رہی۔ اس نے کھانا بھی نہیں کھایا۔

ننگین پالی سے اس کا حلق گھلایا ہوا تھا۔

دلعتنا اسے اپنا آپ بہت کینہ لگا۔ یوں وہ سوں کی خوشیوں سے چلنا اٹھائی کینگی ہے اور پھر اس ایک طرف پاگل پن کا مطلب سمجھ میں نہیں آتا اس کی خود وار طبیعت نے ایسا کیوں سوچا۔

کئی مرتبہ اس نے اپنی آنکھیں خشک کی تھیں اگر وہ نہ گئی تو نہ جانے سبز جشید کیا سمجھیں اور پھر زندگی اتنی ارزاں تو نہیں کہ اسے ایک شخص کے پیچھے یوں ضائع کر دیا جائے۔

اس نے الماری کھول کر دکھا۔ اس کے پاس سیننے کے لئے ایک بھی ڈھنگ کا کپڑا نہیں تھا۔ اس کے تصور میں اس لڑکی کا بیش قیمت سوٹ آگیا۔ وہ کچھ بھی پہن لے۔ اس سے بہتر کپڑے اس کے ملازم پہنتے ہوں گے۔

اس نے سلاہی سر مٹی رنگ کی ساڑھی تھیں۔ جس کا پارڈر سیاہ رنگ کا تھا۔ اس نے کون سا اہتمام کرنا تھا جو اسے دیر لگتی نہ لے ہاتھوں میں برش پھیر رہی تھی بھی سبز جشید اسے لگنے آگئیں۔

”تمہاری سالگرہ میں بھی کٹش ہے کزنٹی۔“

انہوں نے اسے تو صلی ٹکا ہوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

”دل رکھنے کا شکر ہے۔“ کہنا چاہتی تھی مگر کہ نہیں سکی۔

بعض اوقات گمراہ کہ انسان سے بولنے کی صلاحیت نہیں لیتا ہے۔

”معترب ہی دونوں کی ممکن ہو گی۔“

وہ گاڑی ڈرائیو کرتے اسے اطلاع دے رہی تھیں۔ کس قدر خاموشی ہو گئی تھی اس کے اندر۔ اتنا تو وہ پہلے ہی سمجھی اس حادثے نے جیسے اسے ساری دنیا سے اچاٹ کر کے رکھ دیا تھا۔ راستے بھر اس کا سینہ جلا رہا۔ اسے لگا جیسے وہ یہاں سے بھی صاف دیکھ سکتی ہے۔ وہ حسین لڑکی خوب تھی سنوری اس کے ساتھ ساتھ کامیابی کا جشن منا رہی ہے اور۔

بھلا اسے اس کی کامیابی اور ناکامی سے کیا سروکار؟۔

دوشینیوں کے اس سیلاب میں مانی کے حسن کے جھپے ہر زبان پر تھے اور اس بے انتہا حسین لڑکی کو دیکھ کر شاہم کی آنکھوں میں بھی بہت روپکے رنگ اترے تھے۔ وہ خود بھی بہت مغرور سا ہو رہا ہے۔ وہ لڑکی اس کی ہے۔ سدا کے لئے اور۔

رنگوں کی اس یلغار میں دلعتنا اس کی نگاہیں اس سلاہ کپڑوں والی لڑکی پر جا رہیں۔ جو کتنی سنائی ایک طرف کھڑی تھی۔ اور جس کی پشت پر کھلے بے تماشیا لے ہاتھوں نے جیسے ہر سو گلابی اندھیرا پھیلا دیا تھا۔ ریشم کے کچھے جیسے ہاتھ بھی اس نے ذرا فاصلے پر اپنے گروپ میں اترائی اترائی کھڑی مانی کی طرف دیکھا۔

شانوں تک کٹے بال پار لو والی کی محنت کا شاہکار تھے۔ وہ یوں گھنٹہ پار لڑکی میں صرف کر کے آئی تھی۔

وہ اگر زندگی کی طویل مسافت سے تھکا ہار الونٹا تو کیا ان زلفوں کی چھاؤں میں سستا پائے گا۔ یہ چکا چونڈ وجود



ہیں تو اس طرح مداخلت کرنا ایک دم جہالت ہے۔ یہ
 کیا سوچتا ہوگا میرا ہونے والا منگیتر منڈاز سے ہے
 ہو ہے۔ کسی پھولے طبقے سے تعلق رکھتا ہے
 اور۔۔۔

”پلیز مائی۔۔۔“ وہ جو کچھ کہہ رہی تھی تھا تو لڑوا لڑا
 وہ یہ کہیں بھول جاتا ہے وہ اس کے بے شمار احسانات
 تلے دیا موم کا ایک ٹکڑا ہے جسے اپنی مرضی پر کچھ
 اختیار نہیں۔ اور جو اس کی ہر ڈانٹ بلجھاری سے
 سننے پر مجبور ہے۔ وہ وہی کر سکتا ہے جو اس میں لپڈ کیا
 جاتا ہے حتیٰ کہ جذبات احساسات بھی اس کے اپنے
 نہیں۔

اسے ایک دم اپنے آپ پر بے تحاشا ترس آ گیا
 ایسی اہانت وہ ہر روز بھی اٹھائے تو کم سے ایسی ذلت کا
 وہ ہر لمحے مستحق ہے۔ جو اپنی ذات کا آئینہ اور
 بھاری سکوں سے سوا کرتے ہیں۔ ان کی مدد تک کو
 قید رکھا جاتا ہے اور۔۔۔

وہ سرخ ہوتا چہو لے ایک دم جانے کو مڑا۔
 ”تم کہاں چلے؟“ اس نے تیزی سے جانے شام
 کا ہاتھ پکڑا۔

”بھی مجھے کک کاٹنا ہے، اگر تم اس طرح مغل
 سے چلے گئے تو لوگ کیا کہیں گے سب کے سامنے
 کتنی شرمندگی ہوگی۔ یہاں بہت بوے بوے لوگ جمع
 ہیں۔“

بس جیسے ہی تو ساری بات تھی۔ وہ اس پر اپنے لوگوں
 کو ترغیب دیتی تھی۔ واقعی وہ تماشا بن جانا، بچپورا،
 اس کے ساتھ کھڑا رہا۔ جب وہ تالیوں کی گونج میں
 کیک کاٹی رہی۔ اور جب وہ حقے بٹور لی رہی۔ ساتھ
 میں مہار کہاؤ بھی۔

وہ ایک دم کونے میں اٹکی اٹکی سی بیٹھی لڑکی کے
 پاس آ گیا۔

”آپ تب سے یہاں بیٹھی ہیں، شاید آپ پر
 ہو رہی ہیں۔“

”سہیل بوریست کیسی؟“
 کزئی نے دیکھا، کچھ مضطرب تھا۔ اور اس کی
 پیشانی پر دو ٹل نمایاں تھے۔ وہ اس کے پرانے دکھوں

رنگوں میں باطل دھڑکاؤ تھا اور وہ ساہ سی لڑکی۔
 سر مٹی ساڑھی میں لمبوس، پلو کار اور سنجیدہ جس کی
 سیاہ آنکھیں بھی ساہ تھیں۔
 ”کیسی ہیں آپ؟“ وہ اس کے قریب چلا آیا۔
 ”ٹھیک۔“ جانے کیوں اس کی آنکھیں ڈبڈبا

کھینکی۔
 اس شخص کو شاید کبھی بتا بھی نہ چلے۔ کبھی ایک محل کی
 دھڑکن بنا تھا اور اس نے ایک دم ہی لڑکی کی راتوں کی
 نیند اڑا دی تھی۔ وہ تاحیات اس کے خیالوں میں
 محفوظ رہے گا۔

”آپ نے کچھ لیا، جو سونے وغیرہ۔“
 اس نے قریب سے گزرتے دھڑکی ٹرے سے جو س کا
 گلاس اٹھا کر اس کی طرف بڑھایا۔ اس نے بدقت
 گلاس تمام لیا۔

”شہاب! پلیز یہاں آؤ۔ میں تمہیں اپنی نئی
 دوست سے ملواؤں۔“

مانی نے بے تکلفی سے اسے بکارا تو وہ اسے
 ایک سیکورٹی کتا اس کے پاس چلا گیا۔ وہ مانی کے
 تمام دوستوں سے خندہ پیشانی سے مل رہا تھا۔ وہ اسے
 ہی جیسے لوگوں میں چٹا ہے۔ وہ جہاں جہاں گیا۔ اس کی
 آنکھیں اس کے ساتھ ساتھ اس کے تعاقب میں
 وہیں۔ وہ کونے میں رکھی کرسی پر تھما بیٹھی خود کو اس
 محفل میں بالکل مس فٹ محسوس کر رہی تھی۔ سبز
 جیشید بھی اسے ساتھ لاکر بھول گئی تھیں۔

وہ اس حسین لڑکی کو سنبھالے سنبھالے پھر رہا تھا۔ اور
 وہ اس کے ساتھ ساتھ لگی جیسے بہت منظور تھی۔
 اپنے باز انھواری، وہ دم بخود سب کو دیکھتی رہی۔ اپنی
 دولت آخر لوگوں کے پاس کہاں سے آئی ہے؟

”آپ کیک کاٹ لیا ہی، کل وقت ہو چکا۔“
 وہ مانی کے قریب آ گیا۔ وہ اپنے کسی پرانے شام سے

سہیل نہیں کہا میں کر رہی تھی۔ شام کا اس مداخلت پر
 منہ بن گیا۔ مانی اپنے تمام امیر کبیر دوستوں کو بہت
 اہمیت دیا کرتی تھی۔ وہ اس کا ہاند پکڑ کر ایک طرف
 لے نکلی۔

”یہ کیا بد تیزی ہے شہاب! جب پرانے دوست ملتے

سے آگے تھی۔ اور نہ موجوں گزرنے والے اہانت
مہر واقعے سے۔

بخت بھیجتا ہے ایسی زندگی پر جس میں اس کی پلہ لیل
تذلیل کی جائے۔ اس کی عزت نفس کو بھجوں کیا
جائے۔ وہ اپنی حیثیت اچھی طرح سمجھتا ہے۔ وہ
ساری زندگی مایہ کے لئے ایک بے پروا غلام رہے گا جو
ہر لمحہ پر سر جھکاتا ہے اور بس۔

”میں اب چلوں گی شاہم صاحب، خالہ اتنی دیر گھر
سے باہر رہنے کی اجازت نہیں دیتیں۔“

یہ مسئلہ درپیش تھا، وہ واپس کسے جائے مسز جمشید ابھی
فاسخ ہوئی تھیں لگ رہی تھیں رات کو میوزک کا
بڑا گرام تھا اور اس شخص کی آنکھوں سے ہونے لگے
اور پریشانی اسے کچھ بھی کہنے سے باز رکھ رہی تھی۔
”میں آپ کو چھوڑ آؤں گا چلیے۔“

یہ اس سے اجازت نہیں لے رہا تھا۔

یہ اس کی مہمانی پر لہو بھر کر جیسے گنگ رہ گئی۔ اتنی اہم
پابلی چھوڑ کر بھلا وہ اسے ڈراپ کرنے جائے گا۔ اور
وہ سینہ کیا یہ گوارا کر لے گی۔

”جئے“ اس نے دیکھا مقابل کا چہرہ بے تاثر تھا۔
”آئی رات کو آپ کو ناحق زحمت ہوگی۔“

”اگر میں یہ زحمت نہ کھول تو پھر آپ گھر کیسے
جائیں گی۔“

گویا وہ ساری پھویشن سمجھتا ہے۔ اس نے لہو بھر کے
لئے اس کا چہرہ دکھا اور پھر اس کے ساتھ باہر تکی اندر
کے شور شرابے کی نسبت باہر قہرے سکون تھا
آکاش پر ابھی تک ہلولوں کی بھربار تھی۔ ستارے اور
چاند ٹہلے۔ اسی لئے اندھیرا زیادہ گہرا ہے یا پھر۔

گازنی اس کے گھر کے راستے پر دوڑاتے وہ ابھی
تک چپ تھا۔

کسی کو اپنی بد قسمتی اور محرومیوں کی داستان سنانا آسان
نہیں ہوتا۔ مگر ہاں کیوں اس کا دل چاہ رہا تھا۔ وہ
اس لڑکی کو اپنے اندر کا ناسور دکھا کر سکھ پا جائے۔ وہ
اسے مت مہمان لگتی تھی۔ مت وہی طبیعت کی۔

لڑکیں تقریباً دوران تھیں۔ اور اس سے بھی زیادہ
اس کا دل مایہ کے آج کے رویے نے اسے بہت

مایوس کیا تھا۔ کبھی اس کی زندگی میں وہ اہمیت اختیار
نہیں کپائے گا جو مگیترا شوہر کی ہوگی ہے۔ وہ سمجھتا
تھا کہ وہ خوش قسمت ہے جو مایہ نے اسے اپنے
دوستوں پر ترجیح دی۔ اسے زندگی میں شامل کرنا چاہتی
ہے۔ مگر وہ بھول گیا تھا ایسی امیر کبیرہ تمدد حسینہ کے
لئے شوہر محض دکھاوے کا ہوتا ہے۔ اس کے ہر لمحہ پر
پالتو جانور کی طرح وہ ہلانے والا۔ اور بس۔

اس کا دل چاہا کہ کسی مہمان کدے پر سر روک کر خوب
روئے سائے اندر کی ساری بھڑاس باہر نکال لے۔

”آپ کی مگیترا بہت خوبصورت ہے۔“
خاموشی سے گھبرا کر گزنی نے خود ہی بات کی۔

اسی دم اس نے تیزی سے موڑ کاٹا۔
”آپ خوبصورتی کو کن معنی میں شمار کرتی
ہیں۔“ اس کے لہجے میں چیبن تھی۔

”میں بھی نہیں۔“ اس نے حیران ہو کر اس کی
شکل دیکھی۔

وہ سنجیدہ تھا۔ وہ شدید تناؤ میں لگ رہا تھا۔ پتا نہیں کیا
ہوا، حالانکہ وہ خوش خوش اپنی مگیترا کے ساتھ گھومتا
پھر رہا تھا۔ اس کا دل چاہا پوچھے مگر شاید اسے اس کا
کہنا نا اچھا نہ لگے۔

”آپ نے جواب نہیں دیا۔“
اس کی سوتلی اسی نکتے پر اٹک گئی تھی۔

”صلى خوبصورتی انسان کے اندر ہوتی ہے، مگر
بعض لوگ ظاہری خوبصورتی کو ترجیح دیتے ہیں۔ اب
یہ تو انسان کے اپنے ذہن اور اپنی سوچ پر منحصر ہے، وہ
کس قسم کی خوبصورتی چاہتا ہے۔ اسے ظاہری نمود
نمائش متاثر کرتی ہے یا مدح کی پاکیزگی۔“

اس نے بڑے رسلان سے کہا۔
دلعتنا اسے لگا اس کوئی کی نگاہیں سر دیں۔

شاید اس نے کچھ غلط کہہ دیا؟

اس کے سامنے انسان اپنی خود اٹھکوی کھونے لگتا ہے
اور وہ تو ویسے ہی اس سے متاثر رہتی تھی۔ اور اس کی
خنگلی سے خوفزدہ وہ شخص بولنے سے پہلے سوچتا نہیں
تھا۔ اور ناگوار بات سہنا اس کی شخصیت کا خاصا بھی
نہیں، اتنی ذلیل مدت میں وہ اسے اتنا تو سمجھ ہی گئی

و منہ سے کچھ نہیں بولا البتہ گاڑی کی اسپڈ میں اضافہ ہو گیا۔

گھرے اندھیرے میں سڑکوں پر اطراف میں جلتی جیٹوں کی روشنی میں وہ عام سی لڑکی اسے بالکل عام سی نہیں لگی۔ خوبصورت سوہمس انسان کو نکھار دیتی ہیں۔

اس کا ادراک اسے آج ہوا بلکہ ابھی ہوا وہ بہت سلیبی سوجوں کی مالک ہے۔

اور مائی اس کا دکھ پھر سوا ہو گیا۔

”جانتی ہوں وہ صرف میری ہونے والی مگیتری نہیں ہے نہ میرے پالنے والوں کی بیٹی بھی ہے میں ان کے بے شمار احسانات کے بوجھ تلے رہا ہوں اور۔“

دلعتا اس نے اپنے لب بھینچ لئے۔

انے دکھوں کی تفسیر اسے کبھی بھی گوارا نہیں رہی۔ اور پھر اس لڑکی سے اس کا کیا تعلق جو وہ اپنے دکھوں کو اس کے حوالے کر کے خود لپکا پھلکا ہو جائے۔

کترنی کو جیسے شاک سا لگا تھا۔ وہ اتنا ذلیل مہنڈ اور شاندار بندہ اس کی طرح جیم ہے۔ وہ سمجھتی رہی دولت جس کی ہانڈی ہے۔ اور آسائش جس کا مقدر یہ سب عنایتیں اس کے پالنے والوں کی ہیں۔ وہ جانتی تھی بے گھر اور بے بس باپ کا ہونے کا دکھ کتنا جان لیوا ہوتا ہے اسے لگا جیسے اس آوی کا دکھ اس کے اندر تن ٹھہرا ہے۔

اس دنیا میں بالکل پتا نہیں چلتا ہنٹے مسکراتے چروں کے پیچھے کون کون سے بھیانک درد چھپے ہیں۔ اور چکا چونہ شخصیت کے اندر دکھوں کے کتنے مخمور لب بھینچے بیٹھے شخص کا دکھ اس سے بالکل نہیں چھپا تھا۔

کترنی نے لمحہ بھر کے لئے اسے دکھا شدت برضبطہ سے اس کا چہرہ سوخ ہوا تھا اس کی سمجھ میں نہ آیا وہ کیا کہہ کر اس شخص کی دلجوئی کرے۔ وہ دلعتا محتاط ہو گئی تھی۔ وہ اس سے اس کی آئندہ زندگی کے منصوبوں کے بارے میں بھی نہیں پوچھنا چاہتی تھی۔

بھلے کچھ بھی ہو اس کا مستقبل روشن ہے اور عمل واضح ہے اس کی طرح منزل کے لئے ہر سانس میں ہے اور۔“

رات گئے میں روڈ پر گاڑی روک کر وہ بھی اتر گیا۔

”تمہا آپ اندر گھلیوں میں کیسے جا رہی تھی۔ میں چھوڑ آتا ہوں۔“

اس نے دکھا اس نے اس ساری خاموشی میں جیسے خود کو سنبھال لیا تھا۔ وہ قطعی نارمل لگ رہا تھا۔ اس نے حجت نہیں کی۔

اس شخص کے ہمراہ قدم اٹھاتی وہ خود کو بہت محفوظ سمجھ رہی تھی۔ کتنا اچھا ہونا اگر وہ اس کا ہو گیا۔ اس کی آنکھوں میں گرم گرم مہانی جمع ہو گیا۔

رسائی سے دور چیزوں کی تمنا کرنا پاگل پن کے سوا کچھ نہیں۔ جانے یہ آسان سی بات اس کی سمجھ میں کیوں نہیں آتی۔

”صبح آپڈ پارٹمنٹ آئیں گی۔“

”جی ہاں۔“

اسے دروازے پر چھوڑ کر وہ تیز تیز چلتا گلی کا موڑ مڑ گیا۔ وہ گردن گھمائے اسے بت بنی دیکھتی رہی جب تک وہ نظروں سے اوجھل نہیں ہو گیا۔

دروانہ محسن نے کھولا خالہ محسنہ کی ڈیوٹی لگا کر سوچکی تھیں۔

”۳۲ تھی رات کو کیسے آئی ہو“ نیند سے میری بری حالت ہے۔“

”میرا کو لیگ چھوڑ گیا ہے۔“

وہ اندر کمرے میں آگئی محسنہ پیچھے پیچھے۔

”پائیک پر آئی ہو۔“

”نہیں گاڑی پر۔“

”گاڑی پر کتنے عیش ہیں تمہارے۔ اس گھر سے باہر نکلی ہو تو تمہاری قسمت جاگی ہے اور ہم کونو میں کے مینڈک اچھا خیر کس رنگ کی گاڑی تھی۔“

”پتا نہیں میں نے غور نہیں کیا۔“ اس نے آکتاہٹ سے کہا ”محسنہ بیٹہ ایسے ہی بے گئے سوال کرتی تھی۔“

”اور وہ تمہارا کو لیگہ کیا ہے۔“

”جیسے انسان ہوتے ہیں۔“

اس نے الماری سے کپڑے نکالتے ہوئے کہا۔

”میں نے کب کہا ہے اس کے سر سینگ اگے ہوں گے۔ میں تو اس کے بارے میں جاننا چاہتی تھی۔“ محسنہ چڑ گئی۔

”مجھے نہیں پتا میں یونورٹی میں صرف پرہانے جاتی ہوں محسنہ۔“

”بھی پرہانے جاتے ہیں۔ لیکن ایک دوسرے سے واقفیت تو ہوتی جاتی ہے اور پھر تمہارا کو لیگ تمہیں چھوڑنے آیا تھا“ بھلا کوئی کسی کو ایسے ہی چھوڑنے نہیں آتا اور۔“

”میرا دل غم مت چاہو۔!“

وہ کپڑے بدلنے چلی گئی۔

وہ کپڑے بدل کر آئی تو محسنہ ابھی بھی اسی موضوع سے چپکی ہوئی تھی۔

”تم کو کیا لگتا ہے؟“

”میں کی معنی ہونے والی ہے۔“

”معنی۔“ محسنہ کو جیسے دھکا سا لگا۔

اس کا خیال تھا کترنی یہاں سے نکلے گی تو ہو سکتا ہے اس کے لئے راہیں کھل جائیں، لازمی طور پر کترنی اس کے لئے بھی ہاتھ پاؤں ماریں۔ ان سیلن زدہ گیلوں سے باہر نکل کر۔

”وہ لڑکی بہت حسین ہے۔“

اسے کسی سے مقابلے کی آگ بھسم نہیں کرتی تھی۔ لیکن محسنہ کی باتوں نے اس کی کھنن برصاری۔

--*

ماگھ والے دن کے بعد سے جیسے اس کے دل میں ایک گڑھی لگی تھی۔ وہ بہت محتاط ہو گیا تھا اور کافی حد تک اپنے خول میں بند بھی۔ مسز گورانی نے معنی کی نریداری کے لئے ماہی کو جو بھاری چیک دیا تھا اس کو فریق کرنا لازمی تھا۔ اس لئے وہ اس کے سر ہو گئی۔

مہور مت کرو شاہم! ہفتہ بھر رہ گیا ہے معنی میں اور تہوت ضائع کر رہے ہو۔“

”نریداری تم نے اپنے لئے کرنی ہے، میری کیا نہارت؟“

”تمہارے لیے بھی بہت کچھ خریدنا ہے ایک حد ڈائمنڈ کی رنگ اور ہمسلسلے آخر ممکن میں بھی آئیں گے۔ ہماری عزت کا سوال ہے پچھتاؤ شیر والی ہانوں کے ہیں۔“

”شیر والی۔“ وہاں تھے پر بل بھی نہ ڈال سکا۔

”مجھے کارٹون بنانا ہے۔ میں جس حال میں ہوں اسی میں رہنے دو۔“

”ہالی گڈ شاہم! تمہاری سوہمس ابھی تک نکلے طے کے لوگوں جیسی ہیں۔ یہ بات بالکل ٹھیک ہے انسان اپنا اصل نہیں بھولتا مگر تمہیں یہ احساس ہونا چاہیے تم شہر کے جانے والے رہیں گے ہونے والے لوگوں اور اچھا اب انھوں۔ شیر والی میں تمہارے لیے پسند کروں گی۔“

وہ زبردستی اسے بازو سے پکڑ کر اپنے ساتھ ٹھیسٹ لے گئی۔ لبرلی کی اونچی دکائیں نہ بڑی فراخ دلی سے وہ یہ بیاری بھی گئی۔ وہ عدم دلچسپی سے اس کے فارغ ہونے کا انتظار کرتا رہا۔

”تم بھی تو کوئی مشورہ دو۔“

گارمنٹس شاپ پر اس نے اس کے سامنے اپنی پسند کا پرنٹ لہرا کے کہا۔

”تمہاری پسند مجھ سے کیس زیادہ اچھی ہے۔“ اس نے ڈھیلے لہجے میں کہا۔

”بہت ڈال ہو تم شاہم بہت بور۔“ وہ ایک دم ہتھے سے اکھڑ گئی ”مجھے یہ سوچنے پر مجبور نہ کرو کہ تم سے میری معنی کا فیصلہ غلط ہے اور۔“

اس دم وہ پرانا شاسا بھی آگیا۔ جس کی وجہ سے سالگرہ میں ماہی نے اس کی بے عزتی کی تھی۔

”ہیلو ماہی! تم یہاں کیسے؟“

”ظاہر ہے شاپنگ کر رہی ہوں اچھا ہوا تم آگئے، یہ شاہم تو مجھے بے حد بور کر رہا ہے۔ تم ذرا کپڑوں کے انتخاب میں میرا ساتھ دو۔“

وہ مزے سے اس کے ساتھ لگ گئی۔ دونوں ہنس ہنس کر بے تکلفی کا مظاہرہ کرتے رہے۔

وہ اس کا برسوں پرانا ساتھی تھا جس کے ساتھ وہ ہواؤں میں اڑ رہی تھی اور جس کی موجودگی میں اس

نے اسے کھرا دیا تھا۔

وہ اٹھ کر باہر آگیا۔ اور اس لڑکی نے ڈکائی لوٹیں بھی نہیں لیا۔

کتسکو ہم پارلر سے لٹری لٹری کن ملحق میں اتارنے اس نے سوچا تھا شاید اس طرح اس کی شدت میں کمی آجائے۔ لیکن اس کا سبب جتا رہا۔

وہ اس لڑکی کی زندگی میں کیا حیثیت رکھتا ہے اس کے بارے میں ابھی اسے سوچنا ہے۔ کچھ میں نہیں آتا تھا اس کی خوددار طبیعت یہ کہے گوارا کر لیتی تھی۔ ہمیشہ سے ایسی تھی۔ سوچنا نہیں چاہتا تھا کہ جیسے مسلسل تکلیف میں تھا۔

وہ گھر پہنچا باہی ابھی تک نہیں لوٹی تھی۔ جب وہ وہیں لگی تو وہ بلاؤن میں صوفے پر آٹھیس موندے بڑا تھا۔

”تم بالکل مل صبر و ہوشاہم! عالی کے سامنے مجھے سنی سنی ہوئی آخر اس طرح بتائے بغیر تمہیں آنے کی کیا ضرورت تھی۔ کئی دیر میں اور مل تمہیں لہنی میں ڈھونڈتے رہے۔ مللی گڈ“ آخر تم نے مجھے ذلیل کرنے کا تیرہ کیوں کر دکھا ہے تمہاری اس حرکت پر میں ہل سے نگاہیں ملانے کے قابل بھی نہیں رہی۔“

”گڈ دیر چپ بیٹا اس کی شکل دیکھا رہا ہے۔“
وہ ایسے گھر میں رہتا ہے جہاں اس کی سائیس ٹکسوں کی مقروض ہیں۔

”چھ ایک بات بتاؤ۔“ وہ اس کے سامنے گئی۔

”پنی ان حرکتوں سے آخر تم ظاہر کیا کرنا چاہتے ہو۔“

”پلیز باہی میں اس وقت لڑنے کے موڈ میں نہیں ہوں۔“

اس کی بات پر وہ بالکل ہتے سے اکڑ گئی۔

”گور لڑائی۔ تمہارا جیسے میرا محبوب مشغلہ ہے۔“

”پلیز باہی۔“ اس نے آگاہی سے کہا۔

”میں تک آگیا ہوں۔“

”مجھ سے باخود ہے۔“

اس کے چہنچہنے لہجے کو نظر انداز کرتے ایک کوفت سی اس کے چہرے پر اتر گئی۔ اس کے اصرار جیسے مثل ہو رہے تھے۔

READING Section

”چھ ہمو لو اپنی شاہنگ دکھاتے۔ میں نے ہمد مل کر کہا۔“

اپنی شخصیت کی کنوری اور وہ اپنا سے ملا نہیں لگا کر کسی بھی ایسا ہوتا ہے کہ نہ ہن، چھال ہستی کی ساری غلطیوں محال کر دیتے ہیں۔
”تم شاہنگ دیکھ کر کیا کرتے۔“

وہ کھٹ کھٹ کر تلی ملی گئی۔
وہ دنگ نہ گیا باہی کا رویہ دن بدن تلخ اور حقارت آمیز ہوتا جا رہا تھا۔

کتنی دیر وہ چپ چاپ میز پر بیٹھیں رکھے آج کے کچھ کے بارے میں غور کر رہا تھا کچھ نہ ہوتے ہوئے بھی اس لڑکی کا بتایا جا رہا تھا۔ جو اس کی ذات کو ذرا بھی اہمیت نہیں دیتی تھی۔

کتنا بوجھ لادو تھا ان پالنے والوں نے اس پر جان کے احسانات کے حساب دکاتے دکاتے جیسے ٹھک کر جو رہ گیا تھا۔ لڑکی کبھی بھی اس کے مزاج کو سمجھنے کی کوشش نہیں کرے گی۔ اور۔

اس نے فریج کھول کر لٹری لٹری پانی کی بوتل نکالی اور دھ لگا کر فریج ختم کر چکا گیا۔ یہ پھول پھول رہی تھی اگر سوجھ بھگڑے کی صورت اختیار کر گئیں تو کسی کے لئے بھی اچھا نہیں ہو گا نہ ہلی کے لئے نہ خود اس کے لئے۔ ریل کی ہڈیوں کی طرح الگ الگ ہوتے ہوئے بھی انہیں ایک ساتھ ڈونٹا ہے۔

صبح ناشتے کی میز پر وہ ساری تھی بھلائے خوش باش تھی اسے اپنے ہاتھوں سے اہلا انداز میں چیل کر دے دی تھی۔ خدایا یہ لڑکی ہر ایک کو اپنے موڈ کے تابع کیوں بنا رہا ہوتی ہے اس نے سانس روک لیا۔

”یہ اندازو۔“ اس نے لاکھوت کا منہ ہوا کیا۔
اس نے سعادت مند بیچ کی طرح انداز لے لیا۔
جنسی دیر کا کالی مرچ چمڑک کر انداز لگانا اس نے اس کے لئے چائے کی دیوالی بھی تیار کر دی۔

اتنی ملتیں۔
وہ اس کے خواہسورت چہرے کو غور کو جانے کی کوشش میں لگا رہا۔

”ہاں شاہم! آج تواری میں فیشن شو میں جانا

جسٹس بھی گئے گا۔

ہائے کا ٹھونٹ بھرتے جیسے اس کا مطلق کیسا ہو گیا۔
”تم تیار رہنا شاہم میں۔“
سوری ہائی! شام کو کھلا بھری جاتا ہے۔
میں کوئی عذر نہیں سنوں گی۔“

ہاے کو فٹ ہونے لگی تھی یہاں ہی پیشہ سول
بھائی ہے۔ کسی کسی کی مجبوری یا طبیعت کو جاننے
کی کوشش نہیں کرنا۔

خدا ہار نشت اگر بھی آپ بیٹ رہا۔ پھر بھی دھنگ
سے بیس دے سکا۔ جب وہ پردے کا سوز مڑا زمین
کی وقت وہ اس کے سامنے آگئی۔ سیاہ آنکھوں میں
بے سراسر اسکون تھا اس کی شخصیت ساہ مگر تھی
سنگ کا باعث تھی۔

ہمت سمجھا رہی تھی اس نے بالکل ساتھ
فرزہ شخص سے ایسے سوال نہیں کئے جن کا جواب
ہے نہ پانا اہلہ اس کے بچے بچے چہرے کو دیکھتے
تاکہ ضرور ہوگی۔

”کپ فارغ ہیں اس وقت۔“

”کوئی خاص بات۔“

مغیوز ستر تک چلتا ہے اگر کپ ساتھ دے سکیں
دو اصل میرے پاس سواری نہیں ہے مجھے چہ
نوروزی کتابیں لگی ہیں۔“

اس سے کسی بھی نہ کہتی۔ مگر اسے اس کھلاوت
سے باہر لانا چاہتی تھی۔ چاہیں کیوں اس کا دل کہہ رہا
تھا کہ کپ بیٹ ہے۔

خوف تو قحہ آسانی سے جانے پر تیار ہو گیا۔ وہ کس
تہ مجیدہ اور خاموش لگ رہا تھا اچھا ہی کیا۔ اسے
ساتھ لے آئی۔

”کپ کی اس دن کی کافی مجھے ابھی تک یاد
ہے۔“ اس نے یہ کہہ کر جیسے اسے حیران کر دیا۔

اس جیسی حیرانہ لڑکی کی ذات سے منسلک بات اسے
پوری۔ اس کے وجود میں خوشی کی لہری دوڑ گئی۔

پہلے کی خوشی عارضی مسرت یہ کتنا کھٹیا پن ہے۔
کپ کسی کے لا تعلقی سے کے گئے جلوں سے اپنی
ذہن کا مطلب نکال لیں۔

طلعتا کے لاکھ لاکھ میں اس شاندار شخص کے برابر
پہنچے اس کا خود کس قدر ہے کسی اور بیکار لگ رہا تھا
”کپ کو میڈک پنڈ ہے؟“ وہ لہجہ پر پڑے

”کچھ خاص نہیں۔“

”ملا لگے میڈک ہمت پنڈ ہے خاص کر
فرمیں۔“

شام نے کیٹ کن کر کے لو اس کہنے والی
سامان کو حشر کر دیا۔
”جی شہ کے اجنبی راستے۔“

”مسلان ملوی۔“

اس نے پہچان لینے میں ذرا بھی تاہل میں کہا ہے فریل
عند اکڑ اپنے نوٹے پھولے کیٹ پیڑا سخی تھی۔
اس لئے بارہ گیا۔

”کپ جاتی ہیں تو پھر انجان کیوں بن رہی
تھیں۔“ اس سوال کا اس کے پاس کوئی جواب نہیں
تھا۔

مغیوز ستر کے سچیدہ ماحول میں اس نے گھنڈ
ڈیڑھ صرف کر کے اپنے مطلب کی کتابیں تلاش
کیں۔

”کچھ پنڈ آیا؟“

وہ اچھا لکھی قریب آ گیا۔ اس کے ہاتھ سے کتاب
بھوت کر زمین پر جاڑی۔

”شاید کپ ڈر تھیں۔“ آئی ایم سوری۔ اس نے
آہستگی سے جھک کر کتاب اٹھالی۔

بھلا اتنی فحاشیت اور یو کھلا ہٹ کی کیا بات تھی۔ وہ
شرمندہ ہو گئی تھی۔

کاؤنٹر کتابوں کا مل شاہم نے چکرایا۔
”یہ زیادتی ہے۔“ اس نے دم سمجھ میں کہا۔

”کیا فرق پڑتا ہے۔“ شاہم نے بے نیازی سے
کہا۔

”پلیز اگر کپ یہ پیسے رکھ لیں گے تو میں اپنی
نظروں میں سرخو رہوں گی۔“ گاڑی میں بیٹھ کر اس
نے پیسے برمائے۔

طلعتا شاہم کو اپنا آپست حقیر لگا۔ ہمت چھوٹا

لوہہ لڑکی سے بلند معیار پر کھڑی نظر آئی۔
 کتنا فرق ہے دونوں میں۔ دونوں کی زندگیوں میں ایک
 جیسی محرومی ہے، مگر وہ لڑکی اپنی خودداری کو ہاتھ سے
 جانے نہیں دیتی اور ایک وہ ہے جس نے اپنی ساری
 زندگی محض چند آسائشوں کے بدلے میں گروی رکھ
 دی وہ اس لڑکی سے گیا مگر راتوں میں وہ سو ہے مضبوط
 تو اتنا وہ اپنے اندر باندھ اپنی زندگی بنا سکتا ہے۔ پھر یوں
 گردن جھکا کر ان کی جوتیاں کھانے سے قائل وہ خود
 بھی جیسے اس بوجھ سے تنگ آ گیا تھا۔

کھڑکی کو پہلی مرتبہ لگا جیسے اس کے چہرے پر بڑے
 عجیب سے رنگ تھے۔
 ”اگر میں پیسے نہ لیں تو۔۔۔؟“
 ”میری خاطر۔“ غلط لفظ منہ سے پھل گئے۔
 تھکا ہوئی۔

”آپ کا اور میرا کیا تعلق جو میں آپ کی خاطر آپ
 کا کتنا ماننا پھوں کیا کتنا منوانے کے لئے ایک لڑکی
 کافی نہیں ہے وہی لڑکی جس سے مجھے عشق کا دعویٰ
 ہے میں سب کے جذبات کا خیال رکھتا ہوں میرے
 جذبات کو کی حیثیت نہیں رکھتے۔“
 وہ مست بے مولیٰ سے کہہ رہا تھا۔
 دلعتاً کھڑکی کو لگا جیسے اس کا رنگ سب سے زور دار ہے۔
 کیا وہ یہی سنتا جا رہی تھی۔ اس طرح کی عزت افزائی
 چاہتی تھی۔ اس کی آنکھوں میں پانی بھر گیا۔
 ”آپ پلیز گاڑی روکیں۔“

اس سے بولا نہیں جا رہا تھا مگر بھی اس نے ہنسل
 کہہ دیا۔
 ”آپ کا خیال ہے میں آپ کی یہ حماقت مان لوں
 گا۔“ ناگواری سے بولا۔
 ”مجھے۔۔۔ میں اتنا ہے۔“

”سہیل کمال کیا اس سر پر۔“
 وہ بے چارے جیسے جھجھکی رہی۔
 وہ شاہ اس خوش قسمتی میں تھی وہ دونوں ایک جیسا
 بیک کر اؤٹ کر رہتے ہیں اور ان کے دکھ بھی مشترک
 ہیں۔ وہ اسے بہتر طور پر سمجھ لے گا۔ مگر اس شخص
 نے تو اسے اس کی اوقات یاد دلا رہی تھی۔

اس کا اس سے کوئی تعلق نہیں۔
 اس حقیقت کو بتا کر اس کو چھٹی کرسی کی پہلو پر لایا
 وہ بھی اس لڑکی کے مقابلے میں جس میں کئی گنا
 اس لڑکی سے مقابلہ ہی کیا ہے۔
 آتا۔ ”گازی گاڑی کا ماحول بدل گیا۔ رنجیدگی
 لیے وہ بالکل کم صوم جیٹس تھے۔ شہم نے کہا
 نہیں کی نہ ہی اپنے منہ سے اور سب کی خدمت
 ”خدا اعانہ۔“

اس نے اسے اس کی گلیوں سے باہر منہ لگا کر
 اور گاڑی لے اڑا۔ کس قدر شان سے نکلتی تھی
 چلا گیا یوں جیسے کسی تباہی کی کیفیت ان کے
 ہی نہیں۔ سوغتی بھر کر اپنی گاڑی پر گر کر گھسٹا۔

ان دونوں خود کو کس قدر خیر اہم سمجھ رہی تھی
 دن کو نورش میں گزار کے وہ خود کو تھکا ہوا
 الجھائے رکھتی۔ یا گھر کے کھلے ہوئے
 اچھی ہو، آسودہ ہو تو انسان ہی زندگی کی خوش کن
 ہے۔ مگر ان تباہ زندگیوں کو جو جال سے
 ”کھڑکی۔“ خالہ اس کے بالکل مٹانے آگئی۔
 ”جی خالہ۔“

”مجھے تم سے ایک بات کرنی ہے۔“
 ”کہے۔“ چونک گئی خالہ عجیب نظر نہی
 تھی۔

”تمہارے لیے ایک رشتہ تیار ہے۔“
 کتنی دیر اس کے چہرے کو بطور دیکھتی رہی۔
 ایک سائے آکر گزر گیا تھا۔ لہو بھر کو اس کے سینے
 کھڑے ہاتھ رکے تھے۔

”میں نے سہا تم سے بات کر لی۔ تم سے فارغ
 کر محنت اور وہ ساری لڑکی کی باری آئے گی۔ سب ملنے
 عمر کو چھوڑیں مگر بٹھا کر تو میں رکھنا لڑکا شریف ہے
 جس سے وہ کھڑکیوں میں بیٹھنے کو تیار ہے۔“
 کھڑکی کو لگا جیسے خالہ کی باتوں پر اس کا سر گھوم رہا
 ہے۔

”اس طرح اتنی چاہ سے بہا کر لے جانے والے
 کہاں لٹے ہیں میں ایک ہفتے کے اندر جی ہاتھ پائی
 ات پر دل کھو

ہونے کے لئے کسی ٹھوس اور مضبوط حقیقت کا ہونا ضروری ہے۔

”پورا اصل کل ساری رات میں سوچتا رہا میں آپ سے کچھ ہو گیا تھا۔“ وہ بڑی سادگی سے کہہ رہا تھا۔
 ”بعض لوگ کتنی آسانی سے اپنا بوجھ اتار دیتے ہیں یوں جیسے کچھ ہوا ہی نہیں اور یوں جیسے ان میں بوسے کا ستانہ مرام رہے ہوں۔“

بڑی بڑی سیاہ آنکھیں اسے ہمیشہ سے زیادہ لو اس گلیس سے مزید کچھ کہنے لگیں وہ اپنی مزید کہہ کر لوٹا تو سامنے پیشے کی میز کے دوسری طرف ہی

بین الاقوامی معیار کا منفرد شو بزنس جیٹا

موسیٰ اسٹارز

گولڈن جوبلی نمبر شائع ہو گیا ہے



جوہی گوتمل تنازہ شروع ہو گیا، اس کے علاوہ انعامات حاصل کرنے کے مواقع

گولڈن جوبلی نمبر آج ہی خرید لیں

رابطے کا پتہ: 37 رائڈو بلڈار کراچی

”ہاں۔“
 ”بوجھ جلدی جلدی اتار بیٹھنا چاہتی تھی۔“
 ”کمزئی کو تو انہوں نے کچھ زیادہ ہی بوجھ سمجھ لیا تھا۔“
 ”نے اپنے ہاتھوں کی انگلیاں ایک دوسری میں الجھا کر اپنی انسرنگ مچھاننا چاہی۔ اگر اس نے انکار کر دیا تو اس کی ساری زندگی خالہ کو دوا تھیں دیتے گزر جائے۔“
 ”اس سے کہیں بہتر ہے نہیں کہ اس شخص سے بچاؤ شادی کر لے۔“ کتنے بہت سے لوگ اس دنیا میں پسندیدہ لوگوں کے ساتھ زندگی گزار دیتے ہیں۔
 ”پسندیدہ آدمی اس کی پہنچ میں کلن سا ہے اور نہ ہی اس پسندیدہ نے بھی اس عام سی لڑکی کو قابل اہل قرار دیا ہے۔“

”کمزئی کو لگا جیسے اس کا دل بالکل خالی ہو گیا ہے۔“
 ”اگلے روز ڈیڑھ پارٹنٹ میں اس توئی کو دیکھ کر وہ خود کو بہت باہمت ظاہر کرتی رہی۔ اس کی کینٹیناں بن کے احساس کے تحت جل اٹھیں۔ اس کی چھیلی ننگو وہ ابھی تک بھولی نہیں تھی۔“

”اس کے قریب سے ہو کر گزر جانا چاہتی تھی۔“
 ”ایک منٹ کمزئی۔“ وہ اس کے سامنے آ گیا۔
 ”مجھے کلاس لینی ہے۔“ وہ رکھائی سے بولے۔
 ”نظمی اس کا سامنا کرنا نہیں چاہتی تھی۔ اس کے زبانش میں اس کے لئے اور کتنے زہریلے تیر پتے ہیں۔“

”میری بات زیادہ ضروری ہے۔“
 ”اپنی اہم اور غیر اہم باتوں کا تعین خود کرتا تھا۔ کیا پتا اس کی اہم بات اس کے نزدیک بالکل بیکار اور غیر ضروری ہے۔“

”پلیز شاہم صاحب۔“
 ”تیر تیز قدم اٹھاتی کلاس میں جا کھی۔ اور جب کلاس لے کر باہر نکلی تو وہ ابھی تک اس کے انتظار میں سٹن سے لگا کھڑا تھا۔“

”کمزئی کے دل میں ایک دم اداسی اتر آئی۔ یہ شخص پتہ چلنے کی طرف دوڑ رہا ہے پھر کہیں اس نے اس کا پتہ پکڑ لیا، اسے پہلی مرتبہ احساس ہوا کہ کبھی کسی بات پر دل کھول کر خوش نہیں ہو سکتی اور پھر خوش

اور سزاگوئی جیسے اس کی نظر میں میرے کارہ
بکھرے تھے۔

”یہ دیکھو شاہم بیٹا! تمہاری منگنی کے کارڈ چھپ کر
آچکے ہیں، کل سے تم اور ماہی اسیں ہانٹنے کا کام
شروع کرو جس کو کارڈ دینا ہے۔“

شاہم نے کارڈ اٹھایا اور کھول کر دکھا۔ سنہری حروف
میں پروگرام درج تھا۔ اور اس کے نام کے ساتھ ماہم
گوئی کا نام۔

دلعتنا اسے لگا جیسے اس کا دل کسی نے مٹھوں میں
لے کر بھینچ دیا ہے۔

اس کے ذہن میں سیاہ آنکھیں ابھر آئیں۔ اور وہ بے
تعماشا لبی چولہے سے سادہ چہرہ۔

یہ اس کے اندر کیسے تپس ہے، کیسی چھین ہے وہ لڑکی
اسے صراطِ مستقیم کی لگ رہی تھی۔ اپنی طرف بھیج
رہی ہے اس کا اپنا مستقبل ہے شاندار اور روشن۔

ماہی سے شادی کرنے پر اسے کبھی کچھ ملے گا۔ ساری
تعماشیں جن کی تمنا میں انسان مر جاتا ہے اور پھر وہ
جن راحتوں کا عالمی ہے ان کے بغیر اس سادہ سی لڑکی کا
وجود اسے کیا سکھ دے سکے گا۔

وہ محض ایک خیالی تصور کے بل بوتے پر اپنی ساری
زندگی داؤ پر نہیں لگا سکتا۔ کھن اور دشوار گزار
راستوں کا انتخاب بہت مشکل ہوتا ہے۔ اور پھر
ساحل پر رہنے خود کو سمندر کی لہروں کے حوالے کرنا
سراسر حماقت ہے۔ اور۔

وہ سیاہ آنکھیں تصور میں پھر کھلبلی چاگئیں۔

اس نے اپنے سر کو جیسے جھٹک کر ان آنکھوں کو بھی
جھٹکتا چلا۔ مگر وہ اس آنکھیں جن کی سطحیں ہمیشہ
نم رہتی تھیں اور ان میں کوئی دکھ بھی نہیں تھا۔

وہ بے چینی سے اپنے کمرے میں آیا۔

بچوں جب اس کی منگنی ہوگی تو ماہی کے حسین وجود
کے سارے وہ دنیا کی ساری کنجیاں بھلا دے گا۔ اور
اس سادہ سی لڑکی کو بھی ماہی کس قدر حسین ہے اس
کے شہدار ہونٹ اس کی بے تعماشا حسین آنکھیں اور
اس کی وہ حیا رنگت اور سب اس جوڑے کی تعریف

میں زمین آسمان کے قلابے ملائیں گے اور وہ آسمان
پر اڑنے لگے گا۔

وہ ساری رات اس کی آنکھوں میں کئی ایک ہلکے
بھی آنکھیں نہیں موند سکا۔

اس لڑکی میں خود داری ہے، عزت نفس ہے، عزت
نفس کا سوا کرنے والے بڑھل ہوتے ہیں۔ شاہ
ساری عمر وہ غلی زندگی گزارتا رہے اسے مل کر چھین
دلایا جائے کہ اسے ملتی سے واقعی محنت ہے اس
نے اسے ترقی اور کامیابی کا زینہ نہیں سمجھا۔

اور کیا وہ ساری زندگی خلام خلام کھیلا رہے گا۔

وہ صبح اٹھا تو اس کا سر بھاری ہو رہا تھا اور آنکھیں بال
انکار۔

بعض اوقات انسان اپنے ضمیر کی توادد دیتا ہے تو بھی
دبا نہیں سکتا۔ اسے لگا جیسے اس کے اندر کا انسان ابھی
سانس لے رہا ہے۔ ابھی اس میں زندگی کے آثار باقی
ہیں۔

اور۔

صبح ناشتے کی میز پر ماہی کی صورت اسے بکھری گئی۔
بہت نگاہوں کا مظاہرہ کر رہی تھی۔ مگر جیسے یہ سب
بھولتی ہے۔ سراسر مصنوعی سے حقیقت تو کچھ اور ہے
فطرت اور سادگی ان سیاہ آنکھوں میں ہے۔ انہی
آنکھوں میں جنہوں نے اسے کھلی ساری رات
سوئے نہیں دیا۔

سادگی کا پلہ ہمیشہ بھلوت پر بھاری ہوتا ہے۔

جیسے وہ سیاہ زلفیں اس کے قریب آگئیں انہی زلفوں
کی چھاؤں میں اس کی زندگی کی آسٹھکی ہے اور اس کی
عزت نفس کی بقا بھی۔

اب صورت حال تبدیل ہو گئی تھی۔

وہ خود اعتمادی سے گاڑی کی طرف پوچھا اس گاڑی پر
اس کا کوئی اختیار نہیں ہے۔ ماہی کی راحتیں ہیں اس
نے گاڑی کی چابی گاڑی کے پونٹ پر چھوڑی اور جوتے
قدموں سے باہر نکل گیا۔

اس نے ساحل کو چھوڑ کر سمندر میں رہنے کا فیصلہ
کر لیا تھا۔

--*